مسئلہ اِستغاثہ

اور

اُس کی شرعی حیثیت

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب وتدوین

عبدالستار منہاجین

مِنہاجُ القرآن پبلیکیشنز

365-ایم، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون: 5168514، 3-5169111

یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور، فون: 7237695

www.Minhaj.org - www.Minhaj.biz

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں

نام کتاب	:	مسئلہ اِستغاثہ اور اُس کی شرعی حیثیت	
خطبات	:	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری	
ترتیب وتدوِین	:	عبدالستار منہاجین	
نظرِثانی	:	ریاض حسین چودھری، محمد تاج الدین کالامی	
زیرِ اِہتمام	:	ڈاکٹر فرید الدینؒ اِسلامک ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ	
کمپوزنگ	:	حامد سمیع، عبدالستار منہاجین	
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز	
نگرانِ طباعت	:	محمد جاوید کھٹانہ	
اِشاعتِ اوّل تا چہارم	:	5300	
اِشاعتِ پنجم	:	اکتوبر 2003ء	1100
اِشاعتِ ششم	:	اگست 2005ء	
تعداد	:	1100	
قیمت	:	-/65 روپے	
نئی قیمت	:	-/50 روپے	

نوٹ: پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب کی تمام تصانیف اور خطبات و لیکچرز کے ریکارڈ شدہ آڈیو/ویڈیو کیسٹس سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لئے **تحریکِ منہاج القرآن** کے لئے وقف ہے۔

(ڈائریکٹر منہاج القرآن پبلیکیشنز)

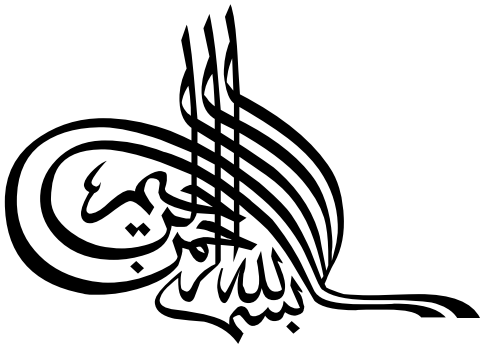

مَوْلَایَ صَلِّ وَ سَلِّمْ دَآئِمًا اَبَدًا

عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَ الثَّقَلَیْنِ

وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّ مِنْ عَجَمِ

﴿صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ عَلٰی آلِہٖ وَ أَصْحَابِہٖ وَ بَارَکَ وَسَلَّمَ﴾

حکومتِ پنجاب کے نوٹیفکیشن نمبر ایس او (پی۔۱) ۴-۱/ ۸۰ پی آئی وی، مؤرّخہ ۳۱ جولائی ۱۹۸۴ء؛ حکومتِ بلوچستان کی چٹھی نمبر ۸۷-۴-۲۰ جنرل وایم ۴/ ۹۷۰-۳-۷، مؤرّخہ ۲۶ دسمبر ۱۹۸۷ء؛ حکومتِ شمال مغربی سرحدی صوبہ کی چٹھی نمبر ۲۴۴۱۱-۶۷ این۔ا/ اے ڈی (لائبریری)، مؤرّخہ ۲۰ اگست ۱۹۸۶ء؛ اور حکومتِ آزاد ریاست جموں وکشمیر کی چٹھی نمبر س ت/ اِنتظامیہ ۶۳-۸۰۶۱/ ۹۲، مؤرّخہ ۲ جون ۱۹۹۲ء کے تحت ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصنیف کردہ کتب تمام سکولز اور کالجز کی لائبریریوں کے لئے منظور شدہ ہیں۔

فہرست

نمبر شمار	مُشتملات	صفحہ
☆	**عرضِ مرتّب**	۹
☆	**بابِ اوّل: مُبادیاتِ اِستغاثہ**	۱۵
۱	لفظِ اِستغاثہ کی لُغوی تحقیق	۲۰
۲	اِستغاثہ کی اَقسام	۲۱
	۱ ۔ اِستغاثہ بالقول	۲۲
	۲ ۔ اِستغاثہ بالعمل	۲۳
۳	اِستغاثہ اور توسّل میں باہمی ربط	۲۴
۴	اِستغاثہ اور دُعا میں بنیادی فرق	۲۵
۵	کلامِ باری تعالیٰ میں لفظِ دُعا کا اِستعمال	۲۵
	۱ ۔ النِّدَآءُ	۲۵
	۲ ۔ التَّسْمِيَةُ	۲۶
	۳ ۔ الإِسْتِغَاثَةُ	۲۷
	٤ ۔ الحَثُّ عَلَى الْقَصْدِ	۲۷
	٥ ۔ الطَّلَبُ	۲۸
	٦ ۔ الدُّعَآءُ	۲۸
	۷ ۔ العِبَادَةُ	۲۹
	۸ ۔ الخِطَابُ	۲۹

نمبر شمار	مُشتملات	صفحہ
۶	دُعا کی خودساختہ تقسیم	۳۰
	۱ ۔ دُعائے عبادت	۳۰
	۲ ۔ دُعائے سوال	۳۱
۷	تقسیم کا مفاد ''مغایرت'' یہاں مفقود ہے	۳۱
۸	دُعا سے مُراد محض عبادت کا عدم ثبوت	۳۳
۹	سورۂ فاتحہ اور تصوّرِ اِستعانت و اِستغاثہ	۳۵
☆	**باب دُوم: تاجدارِ اَنبیا ﷺ سے اِستغاثہ کا مفہوم**	**۳۹**
۱۰	اِستغاثہ..... اَحادیثِ مبارکہ اور عملِ صحابہ کی روشنی میں	۴۳
۱۱	سیدنا ابوہُریرہؓ کا اِستغاثہ	۴۵
۱۲	سیدنا قتادہ بن نعمانؓ کا اِستغاثہ	۴۷
۱۳	دُمبل زدہ صحابیؓ کا اِستغاثہ	۴۸
۱۴	نابینا صحابیؓ کا اِستغاثہ	۴۹
۱۵	ایک صحابیؓ کا بارش کے لئے اِستغاثہ	۵۱
۱۶	سیدنا اَمیر حمزہؓ..... کاشِفُ الکُرُبات	۵۲
☆	**باب سوم..... بعد اَز ممات اِستغاثہ کا جواز**	**۵۵**
۱۷	حیاتِ برزخی کا ثبوت	۵۹
۱۸	رُوح کی حیات اور اِستعداد	۶۵
☆	**باب چہارم..... اِزالۂ اِشکالات**	**۶۹**
۱۹	پہلا اِعتراض..... اِستغاثہ فی نفسہ عبادت ہے	۷۱
۲۰	ہر اِستغاثہ عبادت نہیں ہوتا	۷۴

نمبر شمار	مُشتملات	صفحہ
۲۱	دوسرا اِعتراض..... مافوق الاسباب اُمور میں اِستغاثہ شرک ہے	۷۶
۲۲	اِعتراض کا علمی محاکمہ	۷۷
	پہلا نکتہ	۷۷
	دُوسرا نکتہ	۷۸
	تیسرا نکتہ	۷۸
۲۳	صحیح اِسلامی عقیدہ	۷۹
	چوتھا نکتہ	۷۹
۲۴	حقیقت ومجاز کی تقسیم لابدّی ہے	۸۱
۲۵	مافوق الاسباب اُمور میں مجاز کا جواز	۸۳
۲۶	جبرائیلؑ پر شرک کا فتویٰ؟	۸۳
۲۷	سیدنا عیسیٰؑ پر شرک کا فتویٰ؟	۸۵
۲۸	حقیقی کارساز اللہ ربّ العزّت ہی ہے	۸۷
۲۹	کیا یہ مُعجزہ نہیں؟	۸۷
۳۰	اللہ تعالیٰ پر شرک کا فتویٰ؟	۸۹
۳۱	رُوح پھونکنا درحقیقت فعلِ اِلٰہی ہے	۹۰
۳۲	تیسرا اِعتراض..... اِستغاثہ بالغیر میں سلطۂ غیبیہ کا شائبہ ہے	۹۱
۳۳	خودساختہ اِعتقادی فتنے کا ردّ	۹۱
۳۴	ایک وہم کا اِزالہ	۹۳
۳۵	کیا مخلوق کو دُور کا علم ہوسکتا ہے؟	۹۴
۳۶	کشفِ فاروقی	۹۵

نمبر شمار	مُشتملات	صفحہ
۳۷	کشف اور علمِ غیب میں فرق	۹۷
۳۸	نبیؑ کا سوال مسئول کی قُدرت پر دلیل ہے	۹۸
۳۹	چوتھا اِعتراض.....اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں	۱۰۳
۴۰	بُطلانِ اِستدلال	۱۰۵
۴۱	پانچواں اِعتراض.....سوال اور اِستغاثہ صرف اللہ سے جائز ہے	۱۰۷
۴۲	سوال حکمِ باری تعالیٰ ہے	۱۰۸
۴۳	اور بھی کچھ مانگ	۱۱۰
۴۴	اِستغاثہ خود حکمِ باری تعالیٰ ہے	۱۱۲
۴۵	چھٹا اِعتراض.....سرورِ کائناتﷺ سے اِستغاثہ کی نفی	۱۱۶
۴۶	حدیثِ مبارکہ کا صحیح مفہوم	۱۱۷
☆	**بابِ پنجم.....اِیمان اور کفر کے مابین حدِ فاصل**	**۱۲۱**
۴۷	اِیمان اور کفر کے درمیان نسبتِ مجازی کا لحاظ	۱۲۳
۴۸	حرفِ آخر	۱۲۷
☆	**اشاریہ**	**۱۲۹**
☆	**کتابیات**	**۱۴۱**

عرضِ مُرتّب

وقار و تمکنت اور سطوت و شوکت کی کم و بیش بارہ صدیاں گزارنے اور زِندگی کی ہر جہت میں اَقوامِ عالم کی فکری و عملی رَہنمائی کے بعد جب اپنی رِوایتِ علمی سے اِنحراف اور جُہدِ مسلسل سے اِجتناب کے سبب اُمتِ مسلمہ زوال و اِنحطاط کے حصارِ بے اَماں کا شکار ہوئی تو گلوبل لیول پر ہر شعبۂ زندگی میں تنزّلی کی اَن گنت نارَوا صورتیں اُس کا مقدّر بن گئیں۔ ستاروں پر کمندیں ڈالنے اور تسخیرِ کائنات کی مخاطب مسلم قوم صحرائے روز و شب کی منہ زور آندھیوں کے غبارِ ریگِ رواں میں گم ہو کر رہ گئی اور زِندہ قوموں کی طرح دِینی و دُنیوی ترقی اور خوشحالی و فلاح کی منزل کی طرف مسلسل حالتِ سفر میں رہنے کی خوئے دِلنواز کو یکسر بھلا بیٹھی۔ ہم نے خود کو فقہ و عقائد کے باب میں چھوٹے چھوٹے فروعی و نِزاعی اِختلافات میں اُلجھا کر اَقوامِ عالم کو اِس بات کا کھلا موقع فراہم کیا ہے کہ جہاں وہ ایک طرف ہمارے اَسلاف کی علمی و فکری کاوشوں اور بے مِثال سائنسی تحقیقات کے ثمرات سے بھرپور مستفید ہوسکیں، وہاں دینِ اِسلام اور اُس کے پیروکاروں پر دِل کھول کر طعن و تشنیع بھی کر سکیں، اور خود منظرِ ہستی سے دُور کنارے ہٹ کر زِندگی کی دوڑ میں بری حد تک پس ماندہ رہ گئے ہیں اور صحیح معنوں میں اپنی اِس شکست کا اِدراک بھی نہیں رکھتے۔ نتیجتاً ذِلت و رسوائی، زوال و مسکنت اور اِدبار و اِنحطاط کے دبیز سائے ہمارا مقدّر بن کر

رہ گئے ہیں۔

اِس وقت ہم قیل و قال کے جن لا یعنی اور بے سُود جھگڑوں میں اُلجھے ہوئے ہیں، نئے آفاق کی تسخیر پر نظر رکھنے والی پُرعزم اور پُرجوش عملی زندگی سے اُن کا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ جمیع اَقوامِ عالم کی اِمامت کی اَہل اُمتِ مسلمہ جسے قرآنِ حکیم نے **''اُمتِ وسط''** کا خطاب دیا تھا، آج اِمامتِ اَقوامِ عالم کا فریضہ سرانجام دینے سے قاصر ہے۔ اِس لئے کہ اُس کے تمام تر ثقافتی اَثاثے جل کر راکھ ہو چکے ہیں اور اُس کے عزائم رزقِ زمیں بن کر اُسے بے عملی کے جہنّم کا اِیندھن بنا چکے ہیں۔ آج اُمتِ مسلمہ اَقوامِ عالم کی اِمامت کا فریضہ مغربی طاقتوں اور صہیونی بھیڑیوں کے سپرد کرنے کے بعد خود چھوٹے چھوٹے مسلکی معاملات میں اُلجھی ہوئی ہے۔ لاریب اِسلام غیروں کو گلے لگانے اور اپنا بنانے کا درس دیتا ہے لیکن ہم نے اپنوں کو بھی چُن چُن کر دائرۂ اِسلام سے نکال باہر کرنے کا وطیرہ شروع کر رکھا ہے۔ یہی سبب ہے کہ ہم ذِہنی غلامی کے ایسے جال میں جکڑے جا چکے ہیں کہ حقیقی مسائلِ حیات سے اِغماض ہمارا قومی وطیرہ بن چکا ہے۔

نیرنگیٔ دَوراں تو دیکھئے کہ ستاروں پر کمندیں ڈالنے کا سہرا مغربی اَقوام کے سر ہے اور اِس کام کی بنیادیں مہیا کرنے والے اپنے علمی اَثاثوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اِتّحادِ اُمت کا ہر تصوّر اَنا کی قربان گاہ کی بھینٹ چڑھانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ مغربی اَقوام اِسلام کی فطری تعلیمات کے ساتھ جدید سائنسی تحقیقات کی بے پناہ موافقت کی بدولت لاشعوری طور پر دینِ فطرت سے کسی حد تک قریب ہوتی چلی جا رہی ہیں اور دُوسری طرف ہم اپنی خود ساختہ خدمت و تبلیغِ دین کے ذریعے پہلے سے موجود مسلمانوں کو بھی کافر و مشرک قرار دینے پر تلے بیٹھے

ہیں۔ چند فروعی اِختلافات کو وجہِ نزاع بنا لینے کے سبب اُمت کئی مسلکی گروہوں میں بٹ چکی ہے۔ ہمارا معاشرہ قوّتِ برداشت سے محروم ہو چکا ہے۔

''اِستغاثہ''.....یعنی کسی شخص کا دُوسرے سے مدد طلب کرنا..... کے جواز و عدم جواز پر مبنی اِختلاف پر بے شمار مُوشگافیوں کی وجہ سے اِسلام کی فطری تعلیمات کا چہرہ بری طرح سے مسخ ہو کر رہ گیا ہے اور نسلِ نو کے اَذہان اِسلامی تعلیمات کی بابت مسلسل پراگندہ ہو رہے ہیں۔حالانکہ اِسلام ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیتا ہے اور اِنسانیت تعاونِ باہمی (Mutual Cooperation) کے فطری اُصولوں ہی کی بدولت معاشروں کی صورت میں آباد ہے۔

اِنسان ایک معاشرتی حیوان ہے اور معاہدۂ عمرانی کے مطابق ایک دُوسرے کی مدد کرنے اور ایک دُوسرے سے مدد طلب کرنے کے اِرادے سے بستیاں اور شہر بساتے ہوئے مل جل کر رہتا ہے۔ تاریخ، سیاسیات اور عمرانیات کا ایک اَدنیٰ سا طالبِ علم بھی اِس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ ہے کہ معاہدۂ عمرانی ''وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی'' کی عملی تفسیر ہے اور اگر اِس معاہدے کی عملی اِفادیت سے اِنکار کر دیا جائے تو نظامِ حیات دَرہم بَرہم ہو کر رہ جائے گا۔ نوزائیدہ بچہ کبھی اِس قابل نہیں ہوتا کہ وہ اَزخود اپنی خوراک تیار کر سکے، ایک نوجوان کو بہتر تعلیم و تربیت اور اچھے بُرے کی تمیز کے لئے بڑوں کے تجربات سے اِستفادہ کرنا ہوتا ہے اور ضعیف العمری میں تو جوان اَولاد ہی سہارا ہوتی ہے۔ یوں اِنسان اپنی عمر کے تقریباً ہر مرحلے میں دُوسروں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ بیماری، جنگ، حوادث اور دیگر قدرتی آفات سے بچنے کے لئے تمام اِنسان ایک دُوسرے کی مدد کے محتاج ہیں۔ بیمار کو ڈاکٹر سے دَوا کی طلب ہے تو طالبِ علم کو اُستاد سے تعلیم کی، مزدور کو مالک سے

مزدوری کی طلب ہے تو پڑوسی کو حقِ ہمسائیگی کی، بچے کو ماں سے دُودھ کی طلب ہے تو بوڑھے کو جوان اَولاد کے سہارے کی، الغرض پوری نسلِ اِنسانی زندگی کے ہر دَور میں کسی نہ کسی سطح پر اَفرادِ معاشرہ سے مدد کی خواہاں ہے۔ باہمی مراسم کی اُستواری ہی ہماری ثقافتی زندگی کا حُسن ہے۔ بلا شک و شبہ حقیقی کارساز اور مددگار فقط اللہ ربّ العزّت ہی کی ذاتِ بیکس پناہ ہے مگر ہم روزانہ سینکڑوں معاملات میں ایک دُوسرے کی مدد کرتے اور ایک دُوسرے سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمارا باہم ایک دوسرے کی مدد کرنا اللہ ربّ العزّت کی توحید کا اِنکار نہیں بلکہ حکمِ ربانی کی تعمیل ہے۔ اَنبیائے کرام، صلحائے عِظام، اہلِ علم وفضل اور اہلِ حِرفہ کو **"مستعانِ مجازی"** سمجھتے ہوئے اُن سے مدد مانگنا عین اِسلام ہے، جبکہ **"مستعانِ حقیقی"** ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ حقیقت و مجاز کی اِسی تقسیم سے کچھ لوگوں کا اِغماض اِستغاثہ سمیت اِسلام کے اکثر و بیشتر عقائد میں اُلجھاؤ پیدا کر رہا ہے، جس کے نتیجے میں فرقہ بندی جنم لیتی ہے۔

زیرِنظر کتاب جو اِستغاثہ کی شرعی حیثیت پر مفکر اِسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کے لیکچرز کا مجموعہ ہے، میں قرآن و حدیث کی تعلیمات پر مشتمل تصوّرِ اِستغاثہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں اِستغاثہ کی **شرعی حیثیت**، اِسلامی عقائد میں اِس کے **مقام، جواز و عدم جواز** اور اِس کے ساتھ ساتھ **حُدودِ جواز** کا تعین بھی پیش کیا جائے گا۔ موضوع کا اُسلوب اگرچہ علمی و تحقیقی ہے لیکن ہم اُمید کرتے ہیں کہ عام قارئین بھی اِس سے اِستفادہ کو مشکل نہیں پائیں گے۔

کتاب کی تدوین اور اِس کے فنی اُسلوب میں کسی قسم کی لغزش اور کوتاہی کی صورت میں جہاں مرتّب کو اپنی علمی بے بضاعتی کا اِعتراف ہے وہاں اِس کی نشاندہی قارئین کا علمی و اَخلاقی فریضہ بھی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ ربّ العزّت ہمیں منشائے دینِ حق کے حقیقی فہم و اِدراک سے نوازے اور اپنے حبیبِ اکرم ﷺ کے طفیل اِتحاد و یگانگت کی دولت عطا فرمائے اور جمیع اہلِ اِسلام کو چھوٹے چھوٹے نِزاعی معاملات کے خول سے باہر نکل کر **"اُمتِ وسط"** کا منصبِ جلیلہ پہچاننے اور اُسے بتمام و کمال نبھانے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عبدالستار منہاجین

ریسرچ سکالر

ڈاکٹر فریدالدینؒ اِسلامک ریسرچ اِنسٹیٹیوٹ

باب اوّل

مُبادیاتِ اِستغاثہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللہ ربّ العزت خالقِ کائنات ہے، قادرِ مطلق اور حقیقی مُستعان ہے۔ کائناتِ اَرض وسماء میں جاری و ساری جملہ اَعمال و اِختیارات کا حقیقی مالک وُہی ذاتِ حق ہے، جس کے اِذن سے شب و روز کا سلسلہ وُقوع پذیر ہے۔ وہ اپنی ذات وصفات میں واحد ہے، یکتا ہے، کوئی اُس کا ہمسر نہیں۔ارب ہا مخلوقات کو زِندگی عطا کرنے، آنِ واحد میں دی ہوئی حیات کو سلب کرنے اور وسیع وعریض کائناتوں کا نظام چلانے میں، کوئی اُس کا مددگار اور شریک نہیں۔تمام جہانوں میں تصرف کرنے والی اور نظامِ حیات کو روز اَفزُوں رکھنے والی ذات فقط اَللہ ربّ العزت کی ہے۔ کائنات کے ذرّے ذرّے پر ملکیتِ حقیقی اَللہ تعالیٰ کے سِوا کسی کو حاصل نہیں۔ اَللہ کے سوا کوئی کسی شے کا از خود مالک نہیں بن سکتا، اِلاّ یہ کہ وہ خود اُسے مالک بنا دے یا تصرّف سے نواز دے، حتی کہ اپنی ذات اور چھ فُٹ کے بدن کے اُوپر بھی کسی فردِ بشر کو حقِ ملکیت حاصل نہیں۔ نفع وضرر، حیات وممات اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے کا اَز خود کوئی مالک نہیں۔ اَللہ ہی مارتا اور وُہی جِلا بخشتا ہے۔ ہماری ہر سانس اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

اَحکامِ اِسلام اور قرآنِ حکیم کی اَبدی اور لازوال تعلیمات کی روشنی میں بندے کی طرف نفع و ضرر اور مِلکیت و تصرّف کی نسبت کرنا محض سبب اور کسب کے اِعتبار سے درست ہے۔ خلق، اِیجاد، تاثیر، علّت اور قوّتِ مطلقہ کے اِعتبار سے مخلوق کی طرف نفع و ضرر کی نسبت قطعی طور پر درست نہیں۔ اگر ہم بنظرِ غائر جائزہ لیں تو مخلوق کی طرف موت و حیات، نفع و ضرر، مِلکیت و تصرّف اور اُس کے جملہ کسب کی نسبت حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہوتی ہے اور اِن اُمور میں نسبتِ حقیقی کا حقدار فقط اللہ ربّ العزت کی ذات ہے۔ اِن حقائق کو بیان کرنے اور قرآنِ مجید میں وارِد ہونے والی آیاتِ بیّنات سے اِستنباط کرنے میں بعض لوگ لفظی مُوشگافیوں اور خلطِ مبحث میں اُلجھ کر گوہرِ مقصود سے تہی دامن رہ جاتے ہیں۔ فی زمانہ اُن لوگوں نے آیاتِ قرآنیہ کے مفاہیم اَخذ کرنے میں حقیقت و مجاز کے درمیان فرق اور اِعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر فقط حقیقی معنوں سے اِستدلال لینا درست قرار دے رکھا ہے۔ چنانچہ وہ مجازی معنی کا جواز تک محلِ نظر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اَئمۂ اَسلاف کی طرف سے کی گئی تعبیرات و تفسیرات سے رُوگرداں ہیں اور عقائد کے باب میں تفسیر بالرّائے کے ذریعے بدعاتِ سیئات پیدا کرنے اور قرآن و سنت کی حقیقی تعلیمات سے ہٹ کر عقائد کو جنم دینے میں مصروف ہیں۔ ایسے میں جب ہم غیرجانبداری سے دیکھیں تو دُوسری طرف ہمیں لفظی اِشتباہ میں پڑے ہوئے جاہل عوام بھی بکثرت ملتے ہیں جو مجاز کے اِستعمال میں حد درجہ زیادتی اور غُلو کے قائل ہیں اور اِعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھے ہیں۔ اگرچہ وہ دل سے اللہ ربّ العزّت کی توحید و تنزیہہ اور دیگر اِسلامی عقائد پر پختگی کے ساتھ قائم ہیں مگر بادیٔ النظر میں مجاز کے اِستعمال کی کثرت کے باعث مجازی معنی کے عدم جواز کے قائل گروہ کے ہاں قابلِ دُشنام قرار پاگئے ہیں۔ حرفِ حق کی تلاش میں نکلنے والے توازن اور اِعتدال کا

راستہ اپناتے ہیں۔ حقیقت و مجاز کے اِستعما ل میں قرآنی اِعتدال کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو اِن دونوں اِنتہاؤں میں حائل خلیج کو پاٹ کر اُمت کو پھر سے جسدِ واحد بنایا جاسکتا ہے۔ یہی وطیرہ دینِ حق کی حفاظت اور مقامِ توحید کی حقیقی تعبیر و تفہیم کیلئے ضروری و کارآمد ہے۔

عقائدِ اِسلامیہ کی تعبیر وتوجیہہ کے باب میں اَسلاف اَئمۂ کرام میں سے اِمام اِبنِ تیمیہؒ کو متنازع گردانا جاتا ہے، جبکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اُن کا عقیدہ نہایت اِعتدال پر مبنی ہے اور اگر موجودہ دَور میں اُس کی کما حقّہ غیر جانبدارانہ تعبیر و تشہیر کی جائے تو کچھ بعید نہیں کہ دونوں اِنتہاؤں پر جا پہنچنے والے مسالِک کو باہم قریب کیا جا سکے۔ سرِدست صورتحال کچھ یوں ہے کہ عقائدِ اِسلامیہ میں اپنی کج فہمی کی بناء پر بدعات داخل کرنے والا گروہ اِمام اِبنِ تیمیہؒ کی تعلیمات کا مَن گھڑت تصوّر پیش کر کے اُن سے اپنے خود ساختہ عقائد کی بے جا تائید حاصل کر رہا ہے جبکہ صحیح اِسلامی عقیدے پر کاربند کم پڑھے لکھے اَفرادِ اُمت حقائق سے عدم آگہی کے باعث اِمام اِبن تیمیہؒ کو غیر اِسلامی عقیدے کا حامل سمجھنے لگ گئے ہیں۔

اِمام اِبن تیمیہؒ کا عقیدہ جمہور اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے، اور وہ یہ کہ ''اللہ ربّ العزّت ایک ہے، اُس کا کوئی ثانی نہیں۔ فقط اُسی کی عبادت رَوا ہے، اُسی سے دُعا کرنی چاہئیے اور اُسی کو حقیقی مُستعان سمجھنا چاہئیے۔ اُسی کی ذات پر بھروسہ کرنا چاہئیے اور مشکل وقت میں اُسی سے مدد مانگنی چاہئیے۔ غیراللہ کو مددگارِ حقیقی سمجھنا اِسلام کے دائرے سے خروج کے مُترادِف ہے۔ فقط اللہ نیکی کی توفیق سے نوازتا اور گناہوں کو معاف کرنے پر قُدرت رکھتا ہے۔ اُس کے علاوہ کوئی اَز خود کسی کو گناہ سے روک سکتا ہے اور نہ نیکی کی توفیق دے سکتا ہے۔ اَنبیائے کرام اور اَولیاء اللہ سے مدد صرف اُنہیں مستعانِ مجازی مانتے ہوئے ہی جائز ہے''۔ یہی عین اِسلامی عقیدہ

ہے اور اِس سے سرمُو اِنحراف عقائدِ باطلہ کی طرف رُجحان کا باعث ہوگا۔

لفظِ إستغاثه کی لُغوی تحقیق

لفظِ اِستغاثه کا مادۂ اِشتقاق ''غ، و، ث'' (غوث) ہے، جس کا معنی ''مدد'' کے ہیں۔ اِسی سے اِستغاثہ بنا ہے، جس کا مطلب ''مدد طلب کرنا'' ہے۔ اِمام راغب اِصفہانیؒ اِستغاثہ کا لُغوی معنی و مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

الغَوثُ: يُقال فی النُّصرةِ، و الغَيثُ: فی المطرِ، واستغثته: طلبت الغوث أو الغيث (المفردات : ٦١٧)	غَوث کے معنی ''مدد'' اور غَیث کے معنی ''بارش'' کے ہیں اور اِستغاثہ کے معنی کسی کو مدد کے لئے پکارنے یا اللہ تعالی سے بارش طلب کرنے کے ہیں۔

لفظِ اِستغاثہ کا اِستعمال قرآنِ مجید میں بھی متعدّد مقامات پر ہوا ہے۔ غزوۂ بدر کے موقع پر صحابۂ کرام کی اللہ ربّ العزت کے حضور فریاد کا ذکر سورۂ انفال میں یوں وارِد ہوا ہے:

إِذْ تَسْتَغِيْثُونَ رَبَّكُمْ (الانفال، ٨:٩)	جب تم اپنے ربّ سے (مدد کے لئے) فریاد کررہے تھے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اُن کی قوم کے ایک فرد کا مدد مانگنا اور آپ کا اُس کی مدد کرنا، اِس واقعے کو بھی قرآنِ مجید نے لفظِ اِستغاثہ ہی کے ساتھ ذِکر کیا ہے۔ سورۂ قصص میں اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى	تو جو شخص اُن کی قوم میں سے تھا

الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّہٖ۔ (القصص،۲۸:۱۵)

اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ کے دُشمنوں میں سے تھا موسیٰ سے مدد طلب کی۔

اَہلِ لُغت کے نزدیک اِستغاثہ اور اِستعانت دونوں اَلفاظ مدد طلب کرنے کے معنی میں آتے ہیں۔ اِمام راغب اِصفہانیؒ لفظِ اِستعانت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

وَ الْإِسْتِعَانَةُ: طَلَبُ الْعَوْنِ۔ (المفردات: ۵۹۸)

اِستعانت کا معنی مدد طلب کرنا ہے۔

لفظِ اِستعانت بھی قرآنِ مجید میں طلبِ عون کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں بندوں کو آدابِ دُعا سکھاتے ہوئے قرآنِ مجید فرماتا ہے:

إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ o (فاتحہ،۱:۴)

اور ہم تجھی سے مدد چاہتے ہیںo

اِستغاثہ کی اَقسام

عرب اَہلِ لُغت اور مفسرینِ قرآن کی تصریحات کے مطابق اِستغاثہ کا معنی مدد طلب کرنا ہے۔ جس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱۔ إستغاثه بالقول ۲۔ إستغاثه بالعمل

مُشکل حالات میں گھرا ہوا کوئی شخص اگر اپنی زبان سے اَلفاظ و کلمات اَدا کرتے ہوئے کسی سے مدد طلب کرے تو اِسے اِستغاثہ بالقول کہتے ہیں اور مدد مانگنے والا اپنی حالت و عمل اور زبانِ حال سے مدد چاہے تو اِسے اِستغاثہ بالعمل

کہیں گے۔

اِستغاثہ بالقول

قرآن مجید میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے حوالے سے اِستغاثہ بالقول کی مثال یوں مذکور ہے:

وَ أَوْحَيْنَآ إِلٰى مُوْسٰى إِذِ اسْتَسْقٰهُ قَوْمُهٗٓ أَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۔ (الاعراف، ۷:۱۶۰)	اور ہم نے موسیٰ کے پاس (یہ) وحی بھیجی جب اس سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو۔

اِسلام دینِ فطرت ہے اور سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر نبیِ آخرالزماں ﷺ تک تمام انبیاء کا دِین ہے۔عقیدۂ توحید تمام انبیاء کی شرائع میں بنیادی اور یکساں اہمیت کا حامل ہے۔ شریعتِ مصطفوی سمیت کسی بھی شریعت کی تعلیمات کے مطابق اَللہ ربّ العزّت کے سِوا مددگارِ حقیقی کوئی نہیں، جبکہ اِس آیتِ مبارکہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے پانی کا اِستغاثہ کیا گیا ہے۔ اگر یہ عمل شِرک ہوتا تو اِس مطالبۂ شِرک پر مبنی معجزہ نہ دکھایا جاتا، کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کبھی اَنبیائے کرام علیہم السلام سے خلافِ توحید کوئی مطالبہ کیا گیا تو اُنہوں نے شِرک کی تمام تر راہیں مسدُود کرنے کے لئے اُس سے منع فرمایا۔ دُوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مذکورۂ الصّدر آیتِ کریمہ میں اَللہ تعالیٰ قومِ موسیٰ کے اِستغاثہ پر خود سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو اِظہارِ معجزہ کی تاکید فرما رہا ہے۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ حقیقی کارساز تو بلا ریب میں ہی ہوں مگر اے موسیٰ علیہ السلام! میں اِظہارِ معجزہ کے لئے

اپنے اِختیارات تمہیں تفویض کرتا ہوں۔

اِستغاثہ بالعمل

مصیبت کے وقت زبان سے کسی قسم کے اَلفاظ ادا کئے بغیر کسی خاص عمل اور زبانِ حال سے مدد طلب کرنا اِستغاثہ **بالعمل** کہلاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اِستغاثہ بالعمل کے جواز میں بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب ومکرم انبیاء علیہم السلام کا واقعہ مذکور ہے۔ سیدنا یوسف علیہ السلام کی جُدائی میں اُن کے والدِ ماجد سیدنا یعقوب علیہ السلام کی بینائی کثرتِ گریہ کی وجہ سے جاتی رہی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب حقیقتِ حال سے آگاہی ہوئی تو اُنہوں نے اپنی قمیض بھائیوں کے ہاتھ والدِ ماجد سیدنا یعقوب علیہ السلام کی طرف بغرضِ اِستغاثہ بھیجی اور فرمایا کہ اِس قمیض کو والد گرامی کی آنکھوں سے مَس کرنا، بینائی لوٹ آئے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اِس واقعہ کا ذکر اَللہ ربّ العزّت نے کلامِ مجید میں کچھ اِن الفاظ میں کیا ہے:

إِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَأَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ أَبِيْ يَأْتِ بَصِيْراً۔ (یوسف،۱۲:۹۳)	میری یہ قمیض لے جاؤ، سو اسے میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب وہ قمیض لے جا کر سیدنا یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں سے مَس کی تو وہ فی الحقیقت مشیّتِ اَیزدی سے بینا ہو گئے۔ قرآنِ مجید میں ہے:

فَلَمَّآ أَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ أَلْقَاهُ عَلٰى	پھر جب خوشخبری سنانے والا آ پہنچا

وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْراً۔ (یوسف،۱۲:۹۶)

اس نے وہ قمیص یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دیا تو اسی وقت ان کی بینائی لوٹ آئی۔

اَللہ ربّ العزت کے برگزیدہ پیغمبر سیدنا یعقوب علیہ السلام کا عملِ مبارک جس سے اُن کی بینائی لوٹ آئی، عملی طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض سے اِستغاثہ ہے۔ یہ اِستغاثہ بالعمل کی بہترین قرآنی مثال ہے، جس میں سیدنا یوسف علیہ السلام کی قمیض اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے حصولِ بینائی کا وسیلہ و ذریعہ بنی۔

اِستغاثہ اور توسّل میں باہمی ربط

اِستغاثہ اور توسل دونوں میں فی الحقیقت ایک ہی شئے مطلوب ہوتی ہے اور اِن کے مابین فرق محض فعل کی نسبت میں ہے۔ جب فعل کی نسبت مدد طلب کرنے والے کی طرف کی جائے تو اُس شخص کا یہ عمل اِستغاثہ کہلائے گا، اور مُستغاثِ مجازی (جس سے مدد طلب کی جا رہی ہے) بحیثیت ''وسیلہ'' و ''ذریعہ'' ہوگا، کیونکہ مستغاثِ حقیقی باری تعالیٰ ہے۔ پس حضرت یعقوب علیہ السلام کا عمل اِستغاثہ اور قمیض وسیلہ ہے۔ اِس کے برعکس جب براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہوئے اُس سے اِستغاثہ کیا جاتا ہے تو اللہ ربّ العزّت کی بارگاہ سے بڑی چونکہ کوئی بارگاہ نہیں اِس لئے وہ وسیلہ کی بجائے حقیقی مستغاث قرار پاتا ہے۔ مختصر یہ کہ مذکورہ قرآنی بیان میں اِستغاثہ بالعمل سنتِ اَنبیاء سے ثابت ہے۔ (عقیدۂ توسل پر سیر حاصل بحث کے مطالعہ کے لئے راقم کی کتاب ''قرآن وسنت اور عقیدۂ توسل'' ملاحظہ فرمائیں)۔

اِستغاثہ اور دُعا میں بنیادی فرق

دُکھ، درد اور تکلیف میں کسی سے مدد طلب کرنا اِستغاثہ کہلاتا ہے، جبکہ مطلقاً پُکارنا دُعا کہلاتا ہے، اِس میں دُکھ، درد، مصیبت اور تکلیف کی شرط نہیں۔ دُعا اور اِستغاثہ میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے، کیونکہ دُعا مطلق پکارنے کو کہتے ہیں جبکہ اِستغاثہ کے لئے شرط ہے کہ مصیبت یا تکلیف میں پکارا جائے، اِس لئے ہر اِستغاثہ تو دُعا ہے لیکن ہر دُعا اِستغاثہ نہیں ہے۔ اِستغاثہ اور دُعا میں یہی بنیادی فرق ہے۔

کلامِ باری تعالیٰ میں لفظِ دُعا کا اِستعمال

دعا، یدعو، دعوۃً کا معنی بلانا اور پکارنا ہے۔ قرآنِ حکیم میں ''**دعا**'' کا مادہ متعدّد معانی میں اِستعمال ہوا ہے۔ ذیل میں دُعا کا قرآنی تصوّر واضح کرنے کے لئے اُن میں سے چند اہم معانی کا ذِکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ النِّدَآءُ

قرآنِ مجید میں لفظِ دُعا، نداء کے معنی میں عام اِستعمال ہوا ہے اور کبھی نداء اور دُعا باہم ایک دوسرے کی جگہ بھی اِستعمال ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن مجید میں ہے:

وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ اور ان کافروں (کو ہدایت کی طرف

الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ إِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ط۔ (البقرہ،۲:۱۷۱)

بلانے) کی مثال ایسے شخص کی سی ہے جو کسی ایسے (جانور) کو پکارے جو سوائے پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتا۔

۲ ۔ التَّسْمِیَۃُ

لُغتِ عرب میں بعض اَوقات لفظِ دُعا تسمیہ یعنی نام رکھنے یا پکارنے کے معنی میں بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ اِمام راغب اِصفہانیؒ مثال پیش فرماتے ہیں:

دَعوتُ ابْنی زَیداً۔ (المفردات:۳۱۵)

میں نے اپنے بیٹے کا نام زید رکھا۔

اِسی طرح قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتﷺ کے ادب و تعظیم پر رَغبت دلاتے ہوئے فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَکُمْ کَدُعَآءِ بَعْضِکُمْ بَعْضاً۔ (النور،۲۴:۶۳)

(اَے مسلمانو!) تم رسولﷺ کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کو (نام لے کر) بلانے کی مثل قرار نہ دو۔

اِس آیتِ کریمہ میں خود اللہ تعالیٰ نے بارگاہِ مصطفیﷺ کا ادب بیان فرمایا ہے۔ پس ہمیں چاہیئے کہ تاجدارِ انبیاﷺ کو کبھی بھی اُن کا اسمِ مبارک ''محمد'' کہہ کر نہ پکاریں بلکہ جب بھی بلانا مقصود ہو یا رسولَ اللہ صلی اللہ علیک وسلم اور یا

حبیبَ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے اَلقابات سے پکارا کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ربِّ کائنات ہونے کے باوجود پورے قرآنِ مجید میں کسی ایک مقام پر بھی سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''یامحمد صلی اللہ علیہ وسلم'' کہہ کر مخاطب نہیں کیا۔

۳۔ اَلاِسْتِغَاثَۃُ

لفظِ ''دُعا'' قرآنِ مجید میں بعض مقامات پر سوال اور مدد طلب کرنے کے معنی میں بھی اِستعمال ہوا ہے، جیسا کہ اِرشادِ ربانی ہے:

وَ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ ۔ (البقرۃ،۲:۶۸)

اور اُنھوں نے کہا آپ ہمارے لئے اپنے ربّ سے دُعا کریں۔

٤۔ اَلحَثُّ عَلَی الْقَصْدِ

لفظِ ''دُعا'' کا اِستعمال بعض اَوقات کسی چیز کے قصد پر رغبت دِلانے اور اکسانے کے لئے بھی کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اِس کی مثال یوں ہے:

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ إِلَيْهِ۔ (یوسف،۱۲:۳۳)

یوسفؑ نے (سب کی باتیں سن کر) عرض کیا اے میرے ربّ مجھے قید خانہ اس کام سے کہیں زیادہ محبوب ہے جسکی طرف یہ مجھے بلاتی ہیں۔

مرغوب اشیاء کی طرف رغبت دِلانے کے معنی میں قرآنِ مجید میں لفظِ دُعا

کا اِستعمال سورۂ یونس میں اِس طرح ہوا ہے:

وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا إِلٰى دَارِ السَّلَامِ۔ (یونس، ۱۰:۲۵)	اور اللہ (لوگوں کو) سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے۔

۵۔ الطَّلَبُ

طلب کے معنی میں لفظِ دُعا کا اِستعمال لغتِ عرب میں بکثرت ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اِس کی مثال یوں ہے:

وَ لَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ۝ (حٰمٓ السجدۃ، ۴۱:۳۱)	اور تمہارے لئے وہ سب کچھ بھی موجود ہے جو تم مانگو گے۝

۶۔ الدُّعَآءُ

لفظِ دُعا کبھی اللہ ربّ العزت سے کی جانے والی دُعا کے معنی میں بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اَفراد کی دُعا یوں مذکور ہے:

وَ آخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ (یونس، ۱۰:۱۰)	اور اُن کی دُعا (اِن کلمات پر) ختم ہوگی کہ ''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا پروردگار ہے''۝

۷۔ العِبَادَة

اللہ تعالیٰ کی عبادت کو بھی دُعا کہا جاتا ہے، جیسا کہ تاجدارِ کائنات ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے:

الدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ دُعا عین عبادت ہے۔

(جامع الترمذی، اَبواب الدعوات، ۲:۱۷۳)

۸۔ الخِطَابُ

لفظِ دُعا کی مذکورۃ الصدر اَقسام کے علاوہ کبھی اِسے مطلقاً خطاب کے لئے بھی اِستعمال کیا جاتا ہے۔ غزوۂ اُحد کے موقع پر جب دورانِ جنگ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قدم اُکھڑ گئے اور وہ منتشر ہوکر جنگ کرنے لگے اور صرف ایک مختصر جماعت تاجدارِ ختمِ نبوّت ﷺ کے اِرد گرد رَہ گئی، تو اُس موقع پر جو لوگ آپ ﷺ سے دُور ہٹ کر بکھر گئے تھے، مالکِ کون و مکاں ﷺ نے اُنہیں اپنی طرف بلایا۔ محبوبِ کبریا کے اِس رحمت بھرے خطاب کو قرآنِ مجید نے یوں بیان کیا ہے:

إِذْ تُصْعِدُوْنَ وَ لَا تَلْوٗنَ عَلٰى أَحَدٍ وَ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْ أُخْرٰكُمْ۔

(آل عمران، ۳:۱۵۳)

جب تم (اَفراتفری کی حالت میں) بھاگے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر نہیں دیکھتے تھے اور رسول (ﷺ) اُس جماعت میں (کھڑے) جو تمہارے پیچھے (ثابت قدم) رہی تھی تمہیں پکار رہے تھے۔

اِس آیۂ کریمہ میں مذکور لفظ ''یَدْعُوْکُمْ'' یعنی رسول تمہیں خطاب کر رہے تھے کا مطلب دُعائے عبادت ہرگز ہرگز قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ قصرِ نبوت کے (معاذ اللہ) شرک کی آمیزشوں میں ملوّث ہونے کا تصوّر بھی ممکن نہیں۔

دُعا کی خودساختہ تقسیم

قرآنِ مجید میں مستعمل اَقسامِ دُعا کے تفصیلی ذِکر کے بعد اَب ہم اِس اَمر کا جائزہ لیتے ہیں کہ کچھ لوگ اِستغاثہ وتوسّل کو غیرشرعی ثابت کرنے کے لئے دُعا کی ایک خودساختہ تقسیم کرتے ہیں حالانکہ اُن کے پاس نفیٔ اِستغاثہ پر قرآنِ مجید کی کوئی ایک آیت بھی بطور دلیل موجود نہیں۔ اُن کے تمام مفروضات کی بنیاد عقلی مُوشگافیاں ہیں، جو بذاتِ خود عقلِ ناقص کی پیداوار ہیں۔ اِستغاثہ کو شِرک قرار دینے کے لئے پہلے اسے دُعا کا مفہوم پہنایا جاتا ہے اور پھر دُعا کی دو خود ساختہ قسمیں کر دی جاتی ہیں:

۱ ۔ دُعائے عبادت ۲ ۔ دُعائے سوال

۱ ۔ دُعائے عبادت

دُعا کی پہلی قسم عبادت ہے اور اللہ ربّ العزت کی تمام عبادات مختلف انداز رکھنے والی دعائیں ہیں۔ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَلدُّعَآءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ۔ دُعا عبادت کا نچوڑ (مغز) ہے۔

(جامع الترمذی، اَبواب الدعوات، ۲:۱۷۳)

جبکہ جامع ترمذی ہی میں مروی ایک اور حدیثِ مبارکہ میں دُعا کو عینِ عبادت قرار دیا گیا ہے:

أَلدُّعَآءُ هُوَ الْعِبَادَةُ۔ دُعا عینِ عبادت ہے۔

(جامع الترمذی، اَبواب الدعوات، ۲:۳۷۱)

عبادت صرف اللہ ربّ العزّت ہی کی رَوا ہے، لہٰذا اُن کا خیال ہے کہ اِس معنی کی رُو سے غیراللہ سے کی جانے والی دُعا اُس کی عبادت قرار پانے کی وجہ سے شِرک کا موجب قرار پائی۔

۲۔ دُعائے سوال

کسی سے سوال کرنا، کسی کو مشکل کشا ماننا اور اُس کے سامنے دستِ طلب دراز کرنا دُعائے سوال کہلاتا ہے۔

اِس مقام پر یہ اِعتراض کیا جاتا ہے کہ مشکل کشا چونکہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے لہٰذا سوال بھی فقط اُسی سے کیا جا سکتا ہے۔ سائل کا سوال چونکہ اپنی عبدیت کا اِعتراف ہوتا ہے، اِس لئے غیراللہ سے سوال کرنا اُس کا بندہ بننے کے مترادف ہے اور وہ شِرک ہے۔ اِس لئے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ **سائل من دون اللہ** مشرک ہے۔

تقسیم کا مفاد ''مغایرت'' یہاں مفقود ہے

دُعا کی مذکورہ بالا تقسیم جواز و عدم جوازِ اِستغاثہ کے نقطۂ نظر سے اِستغاثہ

کے عدم جواز کے قائل گروہ کے لئے بھی غیرضروری ہے، کیونکہ دُعائے عبادت اور دُعائے سوال کو ایک ہی مفہوم دے کر تقسیم کی اِفادیت ضائع کر دی گئی ہے، یوں دُعائے سوال کو بھی گویا دُعائے عبادت میں داخل کر دیا گیا ہے۔ جب دُعائے عبادت غیراللہ کے لئے رَوا نہیں اور دُعائے سوال بھی غیراللہ سے کرنا شِرک ٹھہرا تو دُعا کی اِن دونوں قسموں میں فرق کیا رہا؟ دَرحقیقت اِس تقسیم کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ تقسیم کی اِفادیت تو تب ثابت ہوتی جب دونوں اَقسام پر مختلف نوعیت کے اَحکام مرتّب ہوتے۔ کسی بھی تقسیم کے تحت آنے والی اقسام اگر اپنا جدا جدا حکم نہ رکھیں تو ایسی تقسیم بے فائدہ ہوکر رہ جاتی ہے۔ اِس بات کو ہم ایک سادہ مثال کے ذریعے واضح کرتے ہیں:

مثال: سجدے کی دو اَقسام ہیں:

۱۔ سجدۂ عبادت ۲۔ سجدۂ تعظیم

سجدے کی اِن دو اقسام میں سجدۂ تعظیم، سجدۂ عبادت میں شامل نہیں ہوتا، اگر داخل کریں گے تو بُطلان لازِم آتا ہے۔ علاوہ ازیں دونوں میں حکمی اِعتبار سے بھی بڑا فرق ہے۔ اگر کسی بندے کے سامنے عبادت کی نیّت سے سجدہ کیا جائے تو یہ اِرتِکابِ شِرک ہوگا اور اگر محض تعظیم کی خاطر سجدہ کیا جائے تو یہ شِرک قرار نہیں پائے گا بلکہ اِس فعل پر حرام کا حکم لگایا جائے گا۔

دُوسری مثال: اِسی طرح ایک اور مثال دیکھئے: کلمہ کی تین قسمیں ہیں۔ اِسم، فعل اور حرف۔ یہ تینوں آپس میں مغایر ہیں اور اِن کا آپس میں ضم کرنا کسی صورت بھی درست نہیں ہوسکتا۔

دُعا سے مُراد محض عبادت کا عدم ثبوت

اَب رہی یہ بات کہ لفظِ دُعا صرف دو معنوں میں اِستعمال ہوتا ہے، تو یہ بھی ہرگز درست نہیں کیونکہ دُعا کے آٹھ معانی آپ سطورِ بالا میں تفصیل سے پڑھ چکے ہیں۔ اگر دُعا کا مقصد صرف عبادت لیا جائے اور دُعائے سوال کو بھی دُعائے عبادت میں داخل کر دیا جائے تو سارا معاشرہ شِرک کی دلدل میں دھنس جائے گا اور انبیائے کرام بھی معاذ اللہ اُس دلدل سے نہیں بچ سکیں گے۔ واضح رہے کہ دُعا (پکارنا) ہر جگہ عبادت کے معنی میں مستعمل نہیں، بصورت دیگر کسی کی عصمت شِرک کی آلائشوں سے محفوظ نظر نہیں آتی۔ کیونکہ خود نصِ قرآنی اِس پر شاہد ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ نے بھی غیراللہ کو پکارا اور خود قرآن آپس میں ایک دوسرے کو مدد کے لئے پکارنے کی اِجازت دے رہا ہے۔ اور اگر بفرضِ محال ہر جگہ **دعا**، **یدعو**، **تدعو**، **ندعوا** کا معنی صرف دُعائے عبادت یا دُعائے سوال (جو بعض حضرات کے ہاں عبادت ہی کی ایک ذیلی صورت ہے) ہی قرار دینے پر اِصرار کیا جائے تو مندرجہ ذیل چند آیات کی کیا توجیہہ پیش کی جائے گی:

۱۔ يَا قَوْمِ مَا لِيْ أَدْعُوْكُمْ إِلَى النَّجَاةِ وَ تَدْعُوْنَنِيْ إِلَى النَّارِo (مومن، ۴۰:۴۱)	اے میری قوم یہ کیا ہے کہ میں تم کو (راہ) نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہوo

۲ ۔ قَالَ رَبِّ إِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ نَهَاراً o فَلَمْ یَزِدْهُمْ دُعَآئِیْ إِلَّا فِرَاراًo

(نوح، ۷۱:۵، ۶)

عرض کیا اے میرے رب! میں اپنی قوم کو رات دن (دینِ حق کی) دعوت دیتا رہا (لیکن) میرے بلانے سے وہ (دین سے) اور زیادہ بھاگنے لگےo

۳ ۔ وَ اللّٰہُ یَدْعُوْ إِلٰی دَارِ السَّلٰمِ ۔

(یونس، ۱۰:۲۵)

اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے۔

٤ ۔ اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ ۔

(الاحزاب ۳۳:۵)

ان (متبنّٰی بیٹوں) کو ان کے باپوں کی طرف (نسبت) کر کے پکارا کرو، یہی اللہ کے نزدیک درست بات ہے۔

نَاهِیَهٗ o فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ o سَنَدْعُ الزَّبَانِیَةَo

(العلق، ۹۶:۱۷، ۱۸)

پس وہ اپنے ہم نشینوں کو (مدد کے لیے) بلا لے o ہم بھی عنقریب (اپنے) سپاہیوں کو بلا لیں گےo

٦ ۔ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ ۔

(الکہف، ۱۸:۵۲)

سو وہ انہیں بلائیں گے مگر وہ انہیں کوئی جواب نہ دیں گے۔

۷۔ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ أُنَاسٍ م بِإِمَامِهِمْ۔
(بنی اسرائیل، ۱۷:۷۱)

جب ہم لوگوں کے ہر طبقہ کو ان کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔

۸۔ وَ إِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدٰى۔
(الکھف، ۱۸:۵۷)

اور اگر آپ انھیں ہدایت کی طرف بلائیں۔

سورۂ فاتحہ اور تصورِ اِستعانت و اِستغاثہ

سورۂ فاتحہ میں جہاں اِسلام کے اور بہت سے عقائد و تعلیمات کے تصوّر کو واضح کیا گیا ہے وہاں تصوّرِ اِستغاثہ کو بھی بڑے دلنشیں انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ o
(الفاتحہ،۱:۴)

اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیںo

یہی آیت مبارکہ مسئلہ اِستعانت و اِستغاثہ کی بنیاد ہے جس میں عبادت اور اِستعانت کو یکے بعد دیگرے ذِکر کیا گیا ہے۔ آیتِ کریمہ کا پہلا حصہ ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ'' اِسلام کے تصوّرِ عبادت پر مشتمل ہے اور دُوسرا حصہ ''إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' تصوّرِ اِستعانت کو واضح کرتا ہے۔ یہی وہ آیتِ مبارکہ ہے جس کے سطحی مطالعہ سے حاصل ہونے والے باطل اِستنباط کے ذریعے کچھ لوگ جمیع امتِ مسلمہ پر شِرک کا فتویٰ لگانے کا آغاز کرتے ہیں۔

دراصل اِس آیت کے سطحی مطالعہ سے اُن کے ذِہنوں میں یہ خیال جنم لیتا ہے کہ آیت کے دونوں حصے ایک جیسے اَلفاظ پر مشتمل ہیں۔ پہلے حصے میں عبادت کا ذِکر ہے جو محض اللہ ربّ العزّت کے لئے خاص ہے، تو دُوسرے حصے میں اِستعانت مذکور ہے۔ ایک جیسے اَلفاظ کے استعمال کی وجہ سے ایک سے اَحکام کا حاصل ہونا ایک بدیہی سی بات ہے۔ یوں وہ لوگ اِس سطحی اِستدلال کے ذریعے یہاں دھوکہ کھا جاتے ہیں اور اِستعانت و اِستغاثہ کو بھی عبادت کی طرح فقط اللہ ربّ العزّت کے ساتھ مختص قرار دینے لگتے ہیں۔

اگر ہم بنظرِ غائر اِس آیتِ کریمہ کا مطالعہ کریں تو صورتحال یکسر مختلف نظر آتی ہے۔ ایک جیسے اَلفاظ کا وُرود بجا مگر آیت کے دونوں حصوں کے درمیان حرفِ عطف واؤ کا پایا جانا بھی کسی حقیقت کا غماز ہے! اگر عبادت و اِستعانت کا حکم ایک ہی ہوتا تو اِن دونوں جملوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کبھی بھی ''واؤ'' کا اِضافہ نہ کرتا۔ اِس واؤ کے لانے سے ہی ما قبل اور ما بعد میں مغایرت ظاہر ہو رہی ہے۔ دو جملوں کے درمیان پائے جانے والے حرفِ مغایرت کی وجہ سے دونوں جملوں کے اَحکام جدا جدا ہوتے ہیں۔ اگر ''إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ '' میں طلبِ عون سے مراد عبادتِ خداوندی ہوتی تو قرآنِ مجید اُسے واؤ عاطفہ کے ذریعے ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ'' سے جدا نہ کرتا۔ حرفِ مغایرت واؤ کا اِستعمال یہ بتا رہا ہے کہ ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ'' اور ''إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' دونوں الگ الگ حقیقتیں ہیں۔ اگر عبادت و اِستعانت کے اَحکام ایک سے ہوتے تو اِن دونوں کے درمیان حرفِ مغایرت ''واؤ عاطفہ'' لانے کی ضرورت نہ ہوتی، بلکہ کلام یوں ہوتا: ''إِيَّاكَ نَعْبُدُ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ''۔

قرآنِ مجید جو خدائے ذوالجلال کا کلام ہونے کے ناطے اپنی جامعیت میں کسی بھی اِنسانی کاوِش سے بڑھ کر ہے اور اُس کا یہ اُسلوب ہے کہ اُس کا ہر حرف اپنا مخصوص معنی و مفہوم رکھتا ہے اور اُس کے کسی ایک حرف کو بھی غیر ضروری قرار نہیں دِیا جا سکتا۔ اگر اِس مقام پر عبادت اور اِستعانت کے مابین مغایرت کا ذِکر مقصود نہ ہوتا تو حرفِ مغایرت ہرگز نہ لایا جاتا۔ قرآنِ مجید میں اِس کی تائید میں بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ اِسی طرح جہاں مغایرت مقصود نہ ہو وہاں مغایرت کے لئے واؤ نہیں لائی جاتی۔ عدمِ مغایرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حرفِ مغایرت کا عدم اِستعمال سورۂ فاتحہ ہی کی اِبتدائی تین آیات میں بخوبی ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت کا اِرشادِ گرامی ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ o الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ o إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ o

(الفاتحہ، ۱:۱-۴)

سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے o نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے o روزِ جزا کا مالک ہے o (اے اللہ) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں o

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مسلسل تین اِبتدائی آیات میں اِسمِ جلالت کے بعد پے در پے چار صفاتِ باری تعالیٰ کا ذِکر ہے اور اُن کے درمیان کسی قسم کی مغایرت نہ ہونے کی وجہ سے کہیں بھی واؤ عاطفہ نہیں لائی گئی۔ جبکہ اگلی آیات میں جہاں مختلف اور متغایر اَعمال و اَفعال کا ذِکر مقصود تھا، وہاں مغایرت کے لئے واؤ

عاطفہ لائی گئی۔ پس اِس سے پتہ چلا کہ دُعا اور اِستعانت و اِستغاثہ (مدد چاہنا) دو مختلف چیزیں ہیں اور اِن میں اِنضمام و اِختلاط کی کوشش مدّعائے نزولِ قرآن کی خلاف ورزی ہے جو ہرگز درست نہیں۔ عقلِ ناقص پر کلی اِنحصار گمراہیوں کو جنم دیتا ہے اور فلسفیانہ مُوشگافیوں میں اُلجھ کر رہ جانے والے حقیقت کی منزل سے بہت دُور رہ جاتے ہیں، دُوسروں کو بھی ذِہنی خلفشار کی دلدل کا رِزق بناتے ہیں اور اپنے ذِہن کو بھی غلط سوچوں کی آماجگاہ بنا کر شکوک وشبہات کے بے معنٰی جہان تخلیق کرتے ہیں۔

باب دُوُم

تاجدارِ اَنبیا صلی اللہ علیہ وسلم سے اِستغاثہ کا مفہوم

صحیح اِسلامی عقیدے کے مطابق اِستعانت و اِستمداد، اِستغاثہ وسوال اور طلب ونداء میں اللہ ربّ العزّت ہی کی ذات مُعین ومُغیث اور حقیقی مددگار ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے بارہا اِرشاد فرمایا کہ مجھ سے طلب کرو میں تمہیں دوں گا۔ پس اگر کوئی شخص قرآنِ مجید کی اِس بنیادی تعلیم سے صرفِ نظر کرتے ہوئے یہ عقیدہ رکھے کہ اِستغاثہ و اِستعانت اور نداء وطلب میں کوئی مخلوق اللہ ربّ العزت کے اِذن کے بغیر مستقل بنفسہ نفع وضرر کی مالک ہے تو یہ یقیناً شرک ہے۔ خواہ وہ مدد طلب کرنا عالمِ اَسباب کے تحت ہو یا مافوق الاسباب، دونوں صورتوں میں ایسا شخص مشرک قرار پائے گا۔ جبکہ اِس کے برعکس دُوسری صورت میں اگر مُستعان و مجیبِ حقیقی اللہ تعالی کو مان کر بندہ مجازاً کسی کام کے لئے دوسرے بندے سے رُجوع کرے..... ڈاکٹر سے علاج کروائے یا دَم، درُود اور دُعا کے لئے کسی اللہ تعالیٰ کے کسی نیک اور صالح بندے کے پاس جائے تو یہ ہرگز شِرک نہیں بلکہ اِس کا یہ فعل معاہدۂ عمرانی کے تحت اِختیارِ اَسباب کے ضمن میں آئے گا۔ اللہ تعالی نے اپنے کلامِ مجید میں بارہا مؤمنین کو آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا ہے۔ اِرشادِ خداوندی ہے:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى وَ لَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ۔ (المائدہ، ۵:۲)

اور نیکی اور پرہیزگاری (کے کاموں) پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم (کے کام) پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

مذکورہ آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ جمیع مسلمانوں کو ایک دُوسرے کی مدد اور تعاونِ باہمی کا حکم فرما رہا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ ایک دوسرے کی مدد تبھی ممکن ہے جب بعض پس ماندہ حال مؤمنین خوشحال مؤمنین سے مدد مانگیں۔ واضح رہے کہ یہ اِستمداد و اِستغاثہ مادّی معاملات میں بھی زیرِحکمِ خداوندی ہے اور رُوحانی معاملات میں بھی، اِسی طرح ماتحت الاسباب معاملات بھی اِس میں شامل ہیں اور مافوق الاسباب بھی، کیونکہ اللہ ربّ العزت نے تعاون (باہمی اِمداد کے نظام) کا حکم علیٰ الاطلاق دیا ہے اور قاعدہ ہے کہ قرانِ مجید کے مطلق کو کسی خبرِ واحد یا قیاس کے ذریعے سے مقیّد نہیں کیا جا سکتا۔ اِس موقع پر اگر کوئی شخص اِس ''تعاون'' (Mutual Cooperation) کو اَسباب کی شرط سے مقید کرنا چاہے تو وہ یقیناً خلافِ منشائے ربانی فعل میں مصروف متصوّر ہو گا۔ اِسلامی اَحکام و تعلیمات میں تعاونِ باہمی اور ایک دُوسرے کی مدد کو پہنچنے کا حکم آیاتِ طیبات اور اَحادیثِ مبارکہ میں بکثرت ملتا ہے، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جس شخص سے مدد طلب کی جائے اُسے چاہیئے کہ وہ مدد کرے اور جس سے اِستغاثہ کیا جائے وہ مدد کو پہنچے اور جسے نداء دی جائے وہ اُس نداء کو قبول کرے اور دُکھی اِنسانیت کے کام آئے۔

اِستغاثہ کے جواز میں بے شمار مواقع پر احکامِ قرآنی موجود ہیں۔ تاجدارِ کائنات ﷺ سے اِستغاثہ اُسی طرح جائز ہے جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی نے کسی ظالم کے خلاف اِستغاثہ کیا تو آپ نے اُس کی مدد فرمائی۔ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کون مؤحد ہوسکتا ہے جن کی زِندگی کا مقصد ہی پیغامِ توحید کو سارے عالم میں پھیلانا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قبطی اور نبیؑ دونوں میں سے کسی ایک کو بھی فعلِ اِستغاثہ کے مرتکب ہونے کی وجہ سے مشرک قرار نہیں دیا۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِیْ مِنْ شِیْعَتِهٖ عَلَی الَّذِیْ مِنْ عَدُوِّهٖ۔
(القصص، ۲۸:۱۵)

تو جو شخص اُن کی قوم میں سے تھا اُس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰؑ کے دشمنوں میں سے تھا، موسیٰؑ سے مدد طلب کی۔

قرآنِ مجید میں اِس کے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر گزشتہ اُمتوں کے مؤمنین کا اپنے انبیاء اور صالحینِ اُمت سے اِستغاثہ کرنے کا بیان آیا ہے۔ اُمتِ مصطفوی میں بھی یہ حکم اور صحابۂ کرام کا اِس پر عمل جاری و ساری رہا۔ بے شمار احادیثِ مبارکہ اِعانتِ محتاج اور آپس میں ایک دوسرے کی پریشانیاں اور غم دُور کرنے کے باب میں وارِد ہوئی ہیں۔

اِستغاثہ.....احادیثِ مبارکہ اور عملِ صحابہ کی روشنی میں

لمحاتِ شکستہ میں کسی کا سہارا بننا اور ساعتِ کرب میں کسی کا شریکِ غم ہونا مراسمِ محبت کی اُستواری سے عبارت ہے۔ اِسلام کا پیغام اَمن و سلامتی کا پیغام ہے اور تاجدارِ انبیاﷺ کی حیاتِ مقدسہ کا ایک ایک لمحہ محبت کی خوشبو سے مہک رہا ہے۔ طائف کے اَوباش لڑکوں کی سنگ باری میں بھی لبِ اَطہر پر دُعا کے پھول کھلتے ہیں۔ خون کے پیاسوں میں وفائیں تقسیم کرنے اور عفو و درگزر کے موتی لُٹانے والے آقائے کائناتﷺ کا دِین دراصل محبت ہی کی تفسیر کا نام ہے۔ دُکھ درد کے زائل کرانے اور حاجات کی تکمیل میں نبی کریمﷺ سے بڑھ کر زیادہ بڑا وسیلہ و ذریعہ اور کون ہوسکتا ہے! قیامت کے دن جب زمانے کی سب سے بڑی سختی لوگوں

پر مسلط ہو گی ، ہر کوئی نفسا نفسی پکار رہا ہو گا، لوگ اَنبیاء وصلحاء کے پاس اِستغاثہ اور طلبِ شفاعت کی غرض سے حاضر ہوں گے، مگر اُس دِن سب انبیاء علیہم السلام اِنکار کرتے چلے جائیں گے۔ تآ نکہ لوگ سرورِ کائنات ﷺ کو وسیلہ بنا کر اِستغاثہ کریں گے، جس کے نتیجے میں اللہ تعالی حضور ﷺ کے صدقے اُس وقت کی سختی کو زائل فرمائے گا۔ حدیثِ مبارکہ میں تاجدارِ کائنات ﷺ نے فرمایا کہ لوگ سیدنا آدم علیہ السلام سے ''اِستغاثہ'' کریں گے پھر سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اور پھر خاتم المرسلین سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ سے۔ حدیث کے الفاظ یوں ہیں:

إِسْتَغَاثُوْا بِآدَمَ، ثُمَّ بِمُوْسٰی، ثُمَّ بِمُحَمَّدٍ ﷺ۔	لوگ آدم علیہ السلام سے اِستغاثہ کریں گے پھر موسیٰ علیہ السلام سے اور آخر میں (تاجدارِ انبیاء) محمد ﷺ سے۔
(صحیح البخاری، کتاب الزکوۃ، ۱:۱۹۹)	

صحیح بخاری میں لفظِ اِستغاثہ کے ساتھ اِس حدیث مبارکہ کی رِوایت سے لفظ اِستغاثہ کے اِس معنی میں اِستعمال اور عامۃ الناس کے صلحاء و انبیاء سے اِستغاثہ کرنے کا جواز مہیا ہو رہا ہے۔قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ جس اِستغاثہ کی اُخروی زندگی میں اِجازت ہے اور جو اِستغاثہ و اِستعانت موجودہ دُنیوی زندگی میں زِندہ اَفراد سے جائز ہے، برزخی حیات میں اُسی اِستغاثہ کے جواز پر شِرک کا بُہتان چہ معنی دارد.....؟

اَحادیثِ مبارکہ میں جا بجا مذکور ہے کہ صحابۂ کرامؓ خاتم النبیین ﷺ سے اِستغاثہ و اِستمداد کرتے تھے اور اپنے اَحوالِ فقر، مرض، مصیبت، حاجت، قرض اور عجز وغیرہ کو بیان کر کے اور آپ ﷺ کو وسیلہ مان کر اُن مسائلِ حیات کا اِزالہ چاہتے تھے۔ اِس عمل میں اُن کا پنہاں عقیدہ یہی تھا کہ سرورِ کائنات ﷺ محض ایک واسطہ اور نفع وضرر میں سبب ہیں اور حقیقی فاعل تو صرف اللہ ربّ العزت ہی کی ذات

ہے۔ اَب ہم مثال کے طور پر یہاں چند اَحادیثِ مبارکہ کا ذِکر کرتے ہیں جن میں صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضور سرورِ دو عالم ﷺ سے اِستغاثہ کیا۔

سیدنا اَبوہُریرہؓ کا اِستغاثہ

سیدنا ابوہریرہؓ کا حافظہ شروع میں بہت خراب تھا اور وہ سرورِ کائنات ﷺ کے اِرشاداتِ گرامی کو یاد نہیں رکھ پاتے تھے۔ دریں اثناء اُنہوں نے حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اِستغاثہ و اِلتجاء کی، جس پر حضور ﷺ نے اُن کی نِسیان کی شکایت ہمیشہ کیلئے رفع فرما دی۔ یہی سبب ہے کہ آپ کثیرالرواۃ صحابی ہوئے۔ سیدنا ابوہریرہؓ اپنا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں:

قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللهِ! إِنِّيْ أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيْثاً كَثِيْراً أَنْسَاهُ، قَالَ ﷺ: اُبْسُطْ رِدَائَكَ، فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ضُمَّ فَضَمَمْتُهُ، فَمَا نَسَيْتُ شَيْئاً بَعْدُ۔

(صحیح البخاری، کتاب العلم، ۱:۲۲)

(صحیح البخاری، کتاب الصوم، ۱:۲۷۴)

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں آپ کی بہت سی احادیث سنتا ہوں اور پھر بھول جاتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ، پس میں نے پھیلائی۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: پھر حضور ﷺ نے (فضا میں سے) اپنے ہاتھوں سے کوئی چیز اُٹھا کر اس (چادر) میں ڈالی، پھر فرمایا: اِسے اپنے سے ملا لو، پس میں نے ملا لیا اور پھر اُس کے بعد میں کبھی کوئی چیز نہ بھولا۔

صحیح بخاری کی مذکورہ حدیثِ مبارکہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صحابۂ کرامؓ رسولِ اکرم ﷺ سے ہر مشکل کا حل حاصل کرنے کیلئے اِستغاثہ کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ سے بڑا موحّد اور کون ہوسکتا ہے! اور نبیٔ کریم ﷺ سے بڑھ کر داعی اِلی التوحید کون قرار پا سکتا ہے! مگر اِس کے باوجود سیدنا ابوہریرہؓ نے حضور ﷺ سے اِستغاثہ و اِستمداد کی اور آپ ﷺ نے اِنکار کی بجائے اُن کا مسئلہ زندگی بھر کیلئے حل فرما دیا۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ ہر موحّد یہ جانتا ہے کہ مُستعانِ حقیقی فقط اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے، انبیاء، اولیاء، صلحاء اور پاکانِ اُمت جن سے مدد طلب کی جاتی ہے، وہ تو حلِ مشکلات میں صرف سبب اور ذریعہ ہیں۔ اُن کا تصرّف محض اللہ تعالی کی عطاء سے قائم ہوتا ہے تاکہ وہ لوگوں کیلئے اللہ تعالی کی بارگاہ میں مطلوب کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ بنیں۔

سیدنا ابوہریرہؓ نے آنحضور ﷺ سے اِستغاثہ کیا اور سرورِ کائنات ﷺ نے اُن کی حاجت کو پورا فرمایا۔ آپ ﷺ نے اُنہیں یہ نہیں فرمایا کہ جاؤ اللہ سے دُعا کرو اور توحید پر قائم رہو بلکہ آپ ﷺ نے ہوا سے اَن دیکھی شے کی مٹھی بھر کر اُن کی چادر میں ڈال دی اور حکم دیا کہ اِسے اپنے سینے سے مل لو۔ پس اللہ تعالی نے حضرت ابوہریرہؓ کی حاجت براری کے لئے اِس عمل کو بطور وسیلہ قبول کر لیا۔

ہر ذِی شعور موحّد یہ جانتا ہے کہ قضائے حاجت اور مطلب براری کے لئے دُعا اور مدد صرف اُسی سے مانگی جاتی ہے جس کے قبضۂ قدرت میں کل اِختیاراتِ عالم ہیں۔ جبکہ طالبِ وسیلہ کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ وسیلہ بننے اور شفاعت کرنے والا اللہ ربّ العزّت سے مُجھ گناہگار کی نسبت زیادہ قربت رکھتا ہے اور اُس کا مرتبہ اِستغاثہ کرنے والے کی نسبت بارگاہِ ایزدی میں زیادہ ہے۔ سائل اُسے مستغاثِ مجازی سے زیادہ کچھ نہیں جانتا کیونکہ وہ اِس بات سے آگاہ ہوتا

ہے کہ مستغاثِ حقیقی فقط اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ یہی معاملہ حدیثِ ابو ہریرہؓ سے واضح ہوتا ہے۔

سیدنا قتادہ بن نعمانؓ کا اِستغاثہ

سیدنا قتادہ بن نعمانؓ کی چشمِ مبارک غزوۂ بدر کے دوران ضائع ہوگئی اور آنکھ کا ڈھیلا اپنے اصل مقام سے باہر نکل کر باہر چہرے پر لٹک گیا۔ تکلیف کی شدّت کو مدِنظر رکھتے ہوئے چند صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ کیوں نہ آنکھ کی رَگ کاٹ دی جائے تاکہ تکلیف کچھ کم ہو جائے۔ حضرت قتادہؓ نے ساتھیوں کے مشورے پر عملدرآمد سے پہلے محسنِ کائناتﷺ کی بارگاہ میں عرضِ حال و اِلتجاء کا فیصلہ کیا۔ سرورِانبیاﷺ کے پاس حاضر ہوکر جب بپتا سنائی اور آپﷺ کی بارگاہِ بے کس پناہ میں اِستعانت و اِستغاثہ کیا تو حضورِ اکرمﷺ نے آنکھ کو کاٹنے کی اِجازت دینے کی بجائے اپنے دستِ مبارک سے آنکھ کو دوبارہ اُس کے اصل مقام پر رکھ دیا جس سے اُن کی بینائی پھر سے لوٹ آئی۔ حضرت قتادہؓ فرمایا کرتے تھے کہ میری ضائع ہونے والی آنکھ کی بینائی کسی طرح بھی پہلی آنکھ سے کم نہیں بلکہ پہلے سے بھی بہتر ہے۔ اِس حدیثِ اِستغاثہ کو اِمام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ میں یوں رقم کیا ہے:

عَنْ قَتَادَةَ بْنِ النُّعْمَانَ، أَنَّهُ أُصِيْبَتْ عَيْنَهُ يَوْمَ بَدْرٍ، فَسَالَتْ حَدَقَتُهُ عَلَى وَجَنَتِهِ، فَأَرَادُوْا أَنْ يَّقْطَعُوْهَا، فَسَأَلُوْا رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

سیدنا قتادہ بن نعمانؓ سے مروی ہے کہ اُن کی آنکھ غزوۂ بدر کے دوران ضائع ہوگئی اور ڈھیلا نکل کر چہرے پر آ گیا۔ دیگر صحابہؓ نے اُسے کاٹ دینا چاہا۔

وَسَلَّمْ فَقَالَ: لَا، فَدَعَا بِهٖ، فَغَمَزَ حَدَقَتَهٗ بِرَاحَتِهٖ، فَكَانَ لَا يَدْرِیْ أَیُّ عَيْنَيْهِ أُصِيْبَتْ

(مُسند اَبو یعلی،۳:۱۲۰)

(دلائل النبوّہ،۳:۱۰۰)

(طبقات اِبنِ سعد،۱:۱۸۷)

(تاریخ اِبنِ کثیر،۳:۲۹۱)

(الاصابہ فی تمییز الصحابہ،۳:۲۲۵)

جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے منع فرمایا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے دُعا فرمائی اور آنکھ کو دوبارہ اُس کے مقام پر رکھ دیا۔ پس حضرت قتادہؓ کی آنکھ اِس طرح ٹھیک ہوگئی کہ معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ کون سی آنکھ خراب ہوئی تھی۔

دُمبل زدہ صحابیؓ کا اِستغاثہ

کتبِ احادیث میں طبیبِ اعظم ﷺ سے ایک دُمبل زدہ صحابی کا اِستغاثہ بھی مروی ہے۔ ایک صحابیؓ کے ہاتھ میں دُمبل (Struma) تھا جس کی وجہ سے دورانِ جہاد اُن کے لئے گھوڑے کی لگام یا تلوار کا دَستہ پکڑنا ممکن نہ رہا تھا۔ وہ صحابی آنحضور ﷺ کی بارگاہِ اَقدس میں حاضر ہوئے اور اِس بیماری کے علاج کے لئے آپ ﷺ سے اِستغاثہ کیا۔ پس اللہ ربّ العزّت جو مستعانِ حقیقی ہے اُس نے دستِ مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے اُس صحابی کو شفا عطا فرما دی۔ یہ حدیثِ مبارکہ مجمع الزوائد میں یوں مروی ہے:

أتيتُ رسولَ الله صلی الله عليه و سلم و بکفی سلعةٌ، فقلتُ: ”يانبی الله! هذا السلعة قد

میں رسولِ کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ میرے ہاتھ میں ایک دُمبل تھا۔ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ

أورمتني لتحول بيني و بين قائم السيف أن أقبض عليه و عن عنان الدابة''۔ فقال رسول اللهﷺ: ''أُدْنُ مِنِّی''۔ فَدَنَوْتُ، فَفَتَحَهَا، فَنَفَثَ فِیْ کَفَّی، ثُمَّ وَضَعَ یَدَهٗ عَلَی السَّلْعَةِ، فَمَا زَالَ یَطْحِنُهَا یَکُفُّهٗ حَتَّی رَفَعَ عَنْهَا وَ مَا أَرَی أَثَرَهَا۔

(مجمع الزوائد،۸:۲۹۸)

ﷺ (میرے ہاتھ پر) دُمبل ہے جس کی وجہ سے مجھے سواری کی لگام اور تلوار پکڑنے میں تکلیف ہوتی ہے''۔ نبیِ کریمﷺ نے فرمایا: ''میرے قریب ہو جاؤ''۔ پس میں آپ سے قریب ہو گیا، پھر آپﷺ نے اُس دُمبل کو کھولا اور میرے ہاتھ میں پھونک ماری اور اپنے دست مبارک کو دُمبل پر رکھ دیا اور دباتے رہے حتی کہ جب ہاتھ اُٹھایا تو اُس (دُمبل) کا اثر مکمل طور پر زائل ہو چکا تھا۔

نابینا صحابیؓ کا اِستغاثہ

مادر زاد نابیناؤں کو نعمتِ بصارت سے فیضیاب کرنا سیدنا عیسٰی علیہ السلام کا معجزہ تھہونے کے ساتھ تاجدارِ انبیاﷺ کا معجزہ بھی ہے۔ روایت ہے کہ ایک نابینا صحابیؓ سرورِ کائناتﷺ کی خدمتِ اَقدس میں بینائی کے حصول کے لئے اِستغاثہ کرنے آئے تو آنحضورﷺ نے اُنہیں منع کرنے اور اِستغاثہ کی حُرمت یا خدشۂ شِرک کا اِظہار کرنے کی بجائے خود اُنہیں دُعا کی تلقین فرمائی۔ یہ دُعا اپنی ذات میں وسیلہ اور اِستغاثہ دونوں کی جامع ہے اور اُس نابینا صحابیؓ جیسے خلوص سے کی جانے کی صورت میں آج بھی دُکھی اِنسانیت کے لئے مجرّب اکسیر ہے۔ مذکورہ دُعا یہ ہے:

أَللّٰهُمَّ إِنِّیْ أَسْئَلُكَ وَ أَتَوَجَّهُ إِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ، يَامُحَمَّدُ! إِنِّیْ قَدْ تَوَجَّهْتُ بِكَ إِلَى رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهِ فَتَقْضِیْ لِیْ، أَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔

(جامع الترمذی، اَبواب الدعوات، ۲:۱۹۷)

(مسند اَحمد بن حنبل، ۴:۱۳۸)

(المستدرک، ۱:۳۱۳، ۵۱۹، ۵۲۶)

اے میرے اللہ! میں نبیٔ رحمت محمد مصطفیٰ ﷺ کے واسطے سے تجھ سے سوال کرتا اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد ﷺ ! میں اپنی اِس حاجت میں آپ کے واسطے سے اپنے ربّ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ یہ حاجت بر آئے۔ اے میرے اللہ! میرے معاملے میں حضور ﷺ کی سفارش و شفاعت کو قبول کر لے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ حدیثِ مبارکہ میں مذکور دُعا کا اِبتدائی جملہ نبیٔ کریم ﷺ کو اللہ ربّ العزت کی بارگاہ میں بطور وسیلہ پیش کر رہا ہے، جبکہ اِسی دُعا کا دوسرا جملہ جس میں حضور ﷺ کو مخاطب کیا جا رہا ہے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی سے اِستغاثہ کا نہ صرف جواز بلکہ حکم مہیا کر رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سِوا کسی مخلوق سے اِستغاثہ جائز اور درست نہ ہوتا تو نبیٔ کریم رؤف رّحیم ﷺ اِس عمل کے کرنے کا حکم اِرشاد نہ فرماتے۔ کائنات کے سب سے بڑے موحّد نے جب خود اپنی ذات سے اِستغاثہ کا حکم اِرشاد فرمایا ہے تو ہم کون ہوتے ہیں کہ توحید کو خالص کرنے کے زعم میں اِسلام کے حقیقی عقائد و نظریات اور تعلیمات کا چہرہ مسخ کرتے ہوئے جمیع مسلمانانِ عالم کو کافر و مشرک قرار دینے لگیں۔

ایک صحابیؓ کا بارش کے لئے اِستغاثہ

کتبِ احادیث اِستغاثہ بالنبیﷺ کے اِثبات اور عملِ صحابہؓ سے اِس کے ثبوت میں بھری پڑی ہیں۔ احادیثِ صحیحہ مرفوعہ متواترہ سے یہ بات ثابت ہے کہ صحابۂ کرام کو جب بھی کوئی مصیبت و آفت درپیش ہوتی وہ دوڑے دوڑے سرورِ کائناتﷺ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں اِستغاثہ کے لئے حاضر ہوتے۔ اللہ تعالی کے حضور آپﷺ کو وسیلہ بنا کر دُعا کرتے اور آپﷺ سے حاجت براری کے لئے اِستغاثہ کرتے۔ جس کے نتیجے میں اللہ ربّ العزت اُن پر آئی ہوئی مشکل کو ٹال دیتا۔ سیدنا اَنس بن مالکؓ سے مروی حدیثِ اِستسقاء کو صحیح قرار دیتے ہوئے اِمام بخاریؒ نے اِس طرح رِوایت کیا ہے کہ:

عن أنس، قال: "بينما رسول اللهﷺ يخطب يومَ الجمعة إذا جاء رجلٌ، فقال: "يارسول الله صلى الله عليك وسلم قحط المطر فادع الله أن يسقينا"، فدعا، فمطرنا، فما كدنا أن نصلّ إلٰى منازلنا، فما زلنا نمطر إلٰى الجمعة المُقبلة، قال: فقام ذٰلك الرجل أو غيره، فقال: "يا رسول اللهﷺ صلى الله عليك وسلم أدع الله أن

سیدنا انس بن مالکؓ سے رِوایت ہے کہ سرورِ کائناتﷺ جمعہ کے روز خطاب فرما رہے تھے کہ ایک آدمی آیا اور عرض گزار ہوا: "اے اللہ کے رسولﷺ! بارش کا قحط ہے پس اللہ سے دُعا فرمائیں کہ وہ ہمیں بارش عطا کرے"۔ حضورﷺ نے دُعا فرمائی پس ہمارے گھروں کو پہنچنے سے پہلے پہلے بارش شروع ہو گئی جو اگلے جمعہ تک مسلسل جاری رہی۔ (حضرت انسؓ)

يصرفه عنا". فقال رسول الله ﷺ: "اللّٰهُمَّ حَوَالَيْنَا وَ لَا عَلَيْنَا"، قال: "فلقد رأيتُ السّحاب يتقطع يميناً و شمالاً يمطرون و لا يمطر أهل المدينة".

(صحيح البخاری، کتاب الاستسقاء، ۱:۱۳۸)

فرماتے ہیں کہ (اگلے جمعہ) پھر وہی یا کوئی اور شخص کھڑا ہوا اور عرض کی: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیک وسلم! اللہ سے دُعا کریں کہ اِس (بارش) کو ہم سے ہٹا دے''۔ حضور ﷺ نے دُعا فرمائی: ''اَے اللہ ہمارے اِرد گرد ہو اور ہمارے اوپر نہ ہو'' پس میں نے دیکھا کہ بادل دائیں اور بائیں ہٹ کر بارش برسانے لگا اور اہلِ مدینہ پر سے بارش ختم ہوگئی۔

عملِ صحابہ سے اِستغاثہ کا ثبوت اور آنحضور ﷺ کا صحابۂ کرام کو اِس عمل سے روکنے کی بجائے اُن کی حاجت براری کرنا اِس بات کو ثابت کرتا ہے کہ یہ عمل شِرک کے اَدنیٰ سے شائبے سے بھی دُور ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی صحابی شِرک میں مبتلا ہو اور یہ تو اُس سے بھی زیادہ ناممکن بات ہے کہ حضور ﷺ صحابہؓ کو شِرک سے بچنے کی تعلیم نہ دیں۔

سیدنا اَمیر حمزہؓ..... کَاشِفُ الکُرُبَاتِ

سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبیٔ کریم ﷺ اپنے چچا سیدنا حمزہؓ کی غزوۂ اُحد میں شہادت پر اِس قدر روئے کہ اُنہیں ساری زِندگی اِتنی شدّت سے روتے نہیں دیکھا گیا۔ فرماتے ہیں کہ سرورِ کائنات ﷺ آپؓ کے جنازے کو قبلہ کی

سمت رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے حتی کہ آپ ﷺ کی ہچکی بندھ گئی۔ پھر سیدنا اَمیر حمزہؓ کو مخاطب کر کے فرمانے لگے:

یا حمزةُ! یا عمَّ رسولِ اللهِ! و أسدَ اللهِ! و أسدَ رسولہ! یاحمزةُ! یا فاعلَ الخیراتِ! یاحمزةُ! یاکاشفَ الکُرُباتِ! یاذابّ عن وجہ رسولِ اللهِ! (المواھب اللدنیۃ، ۱: ۲۱۲)	اے حمزہؓ! اے رسول اللہ کے چچا! اے اللہ کے شیر! اے اللہ کے رسول کے شیر! اے حمزہ! اے بھلائی کے کام کرنے والے! اے تکالیف کو دور کرنے والے! اے رسول اللہ کے چہرۂ اَنور کی حفاظت و حمایت کرنے والے!

اِس حدیثِ مبارکہ میں ایک فوت شدہ شخص کے لئے حرفِ ''یَا'' کے ساتھ نداء کے جواز کے ساتھ ساتھ آنحضور ﷺ کے الفاظ ''یَا کَاشِفَ الْکُرُبَاتِ'' بھی خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ اِن الفاظ کی ادائیگی میں سرورِ کائنات ﷺ نے صالحین سے اِستغاثہ کو نہ صرف جائز قرار دیا ہے بلکہ جس سے اِستغاثہ کیا جائے اُس کا مدد کو پہنچنا بھی جائز گردانا ہے، تبھی تو آپ ﷺ نے سیدنا امیر حمزہؓ کو ''غم کو دُور کرنے والے'' کے پسندیدہ الفاظ سے پکارا۔ یہاں سیدنا امیر حمزہؓ کا مُستغاث ہونا مجازی معنی میں ہے کیونکہ حقیقی مُستغاث و مُستعان تو محض اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے۔ نبیٔ کریم ﷺ کا سیدنا امیر حمزہؓ کو مُستغاث قرار دینا اور بعد از وفات اُنہیں حرفِ ''یَا'' کے ساتھ بلانا ظاہر کرتا ہے کہ اِستغاثہ کے سلسلے میں حقیقی اور مجازی کی تقسیم عین شرعی ہے ورنہ فعلِ رسول ﷺ اِس سے قطعاً مطابقت نہ رکھتا۔

باب سِوُم

بعد اَز ممات اِستغاثہ کا جواز

اِستغاثہ کے جواز پر قرآن و سنت کے جمیع اَحکام اور عملِ صحابہؓ سے بخوبی آگاہ ہونے کے باوجود بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ دُنیوی زِندگی میں تو ایک دُوسرے کے کام آنا ممکن ہے لہٰذا مدد مانگنا اور مدد کرنا بھی جائز ٹھہرا، لیکن موت کے بعد تو بندہ اپنے بدن پر بھی قادِر نہیں ہوتا، تب اُس سے کیونکر مدد طلب کی جا سکتی ہے؟ اور چونکہ وہ مدد پر قدرت نہیں رکھتا لہٰذا یہ شِرک ہے۔

اِس کج فہمی کے بارے میں ہم دو چیزوں کی وضاحت بطورِ خاص کرنا چاہیں گے۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک طے شدہ اَمر ہے کہ بندہ زِندہ ہو یا قبر میں آرام کر رہا ہو دونوں صورتوں میں وہ اپنے وُجود پر قطعاً قادِرِ مطلق نہیں ہوتا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ وہ اِختیارات ہوتے ہیں جنہیں ہم حیاتِ دُنیوی کے دوران اِستعمال کرتے اور دُنیا بھر کے معاملات سرانجام دیتے پھرتے ہیں۔ یہ اِختیار اللہ ربّ العزّت کی عطا سے قائم ہے، اور اگر اِس ظاہری حیات میں بھی اللہ تعالیٰ اپنا دِیا ہوا یہ اِختیار چھین لے تو بندہ ایک تنکا توڑنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔ سو جس طرح اِس عالمِ اَسباب میں بندے کے جملہ اِختیارات کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اِس کے باوجود بھی اُس سے مدد طلب کرنا شِرک نہیں بلکہ حکمِ خداوندی ہے، بالکل اِسی طرح موت کے بعد بھی اگر کسی

بندۂ بشر سے اِمداد طلب کی جائے تو اُسے اللہ تعالی ہی کی طرف سے مختار مانا جائے گا۔ جس طرح زِندگی میں کسی بھی صورت میں بندے کو مُستغاث و مختارِ حقیقی ماننا شِرک ہے لیکن مجازاً اُسے مدد کے لئے پُکارا جا سکتا ہے اِسی طرح بعداَز موت اولیاء وصلحاء کو مُستغاثِ مجازی مان کر اُن سے اِستغاثہ کرنا بھی جائز ہے۔ **شِرک زِندہ سے ہو یا فوت شدہ سے شِرک ہی ہے اور مجازی مالک مان کر مدد مانگنا زِندہ سے ہو یا اہلِ مزار سے دونوں صورتوں میں شِرک نہیں ہوگا۔** اِسلام کے معیار دُہرے نہیں کہ مسجد میں تو شِرک نہ ہو اور مندر میں جاکر وہی عمل کریں تو شِرک ہو جائے۔ اِسلامی اَحکام اور اُن سے ثابت ہونے والے نتائج ہر جگہ یکساں نتائج ظاہر کرتے ہیں۔ سو اگر کسی ڈاکٹر کو مستغاثِ حقیقی سمجھ کر اُس سے علاج کروایا جائے تو یہ شِرک قرار پائے گا جبکہ دُوسری طرف اللہ ربّ العزّت ہی کو مستغاثِ حقیقی جان کر کسی بزرگ کی دُعا یا کسی صاحبِ مزار کے وسیلے کو علاج کا ذریعہ بنایا جائے تو وہ بھی عین رَوا ہے اور ہرگز خلافِ شریعتِ اِسلامی نہیں ہے۔

اَب رہا یہ اِعتراض کہ اہلِ قبور کو مدد کی اِستعداد نہیں ہوتی تو یہ بھی ایک لغو اِستنباط ہے کیونکہ اللہ تعالی نے خود قرآنِ مجید میں متعدّد مقامات پر اَہل اللہ کی برزخی حیات کا ذِکر فرمایا ہے۔ حیاتِ شہداء کے بارے میں تو کسی مسلک و مذہب کے پیروکاروں میں بھی اِختلاف نہیں ہے۔ جس نبی ﷺ کے اَدنیٰ اُمتی مرتبۂ شہادت پا کر قیامت تک کے لئے زِندہ ہیں اور اُنہیں اللہ تعالی کی طرف سے رِزق بھی بہم پہنچایا جاتا ہے، اُس نبی کریم ﷺ کی اپنی حیاتِ برزخی کی لطافتوں کا عالم کیا ہوگا! پس سرورِ کائنات ﷺ کو حیات بعداَز ممات کے عقیدے کے تحت مستغاثِ مجازی قرار دیتے ہوئے آپ ﷺ سے اِستعانت و اِستمداد کرنا بالکل اُسی طرح سے دُرست ہے جیسے آپ ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں جائز تھا۔ حتی کہ آپ ﷺ

کی حیاتِ برزخی کا تو یہ عالم ہے کہ اُمت کی طرف سے آپ ﷺ پر دُرود و سلام کے جو نذرانے پیش کئے جاتے ہیں، وہ بھی فرشتے شب و روز حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچانے پر مامور ہیں۔

اگر طلبِ شفاعت، اِستغاثہ اور توسل کفر و شرک کے قبیل سے ہوتا تو پھر دنیا میں، حیاتِ برزخی میں اور آخرت میں ہر جگہ اِسے کفر و شرک ہی ہونا چاہیئے تھا..... کیونکہ شرک تو اللہ تعالی کو ہر حال میں ناپسند ہے..... مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ تعلیماتِ اِسلامی میں واضح صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ زِندگی میں بھی صحابۂ کرامؓ نے بے شمار مواقع پر آنحضور ﷺ سے اِستغاثہ و توسل کیا اور حیاتِ اُخروی میں بھی قیامت کے روز اُنہی کے دَر پر اِستغاثہ کریں گے۔ یہ اِستغاثہ ہی کا صلہ ہوگا کہ شفیعِ مُذنبیں ﷺ اللہ تعالی کی بارگاہ میں گناہگار مخلوق کی شفاعت کریں گے۔ سو جب حیاتِ دُنیوی اور حیاتِ اُخروی میں اِستغاثہ جائز ٹھہرا تو حیات ہی کی ایک قسم ''حیاتِ برزخی'' میں اُسے شرک قرار دینا کس طرح سے دُرست ہوسکتا ہے؟

حیاتِ برزخی کا ثبوت

حیات بعدازِ موت یا قبر کی زِندگی کی حقیقت قرآن و حدیث کی تعلیمات سے اُسی طرح ثابت ہے جیسے قیامت کے روز جی اُٹھنا۔ قرآنِ حکیم میں اللہ ربّ العزت کا ارشادِ گرامی ہے:

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ	تم کس طرح اللہ کا اِنکار کرتے ہو
أَمْوَاتاً فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمّ	حالانکہ تم بے جان تھے، اُس نے

يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ○ (البقرہ،۲:۲۸)

تمہیں زندگی بخشی، پھر تمہیں موت سے ہمکنار کرے گا اور پھر تمہیں زندہ کرے گا پھر تم اُسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے○

اِس آیتِ کریمہ میں دو اَموات، دو زندگیوں اور بالآخر یومِ آخرت کو تمام اِنسانیت کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹائے جانے کا صراحتاً ذِکر ہے۔ آیتِ کریمہ کی روشنی میں پہلی موت تو ہمارا عدم تھا، جب ہم ابھی عالمِ وُجود میں نہ آئے تھے۔ اُس کے بعد کی زندگی ہماری یہ دُنیوی حیات ہے۔ پھر اُس کے بعد موت آئے گی اور لوگ حسبِ حال ہمارا کفن دفن کریں گے۔ اس موت کے بعد کی زِندگی حیاتِ برزخی کہلاتی ہے جو ہر اِنسان کو قبر (یا حالتِ قبر) میں میسر آتی ہے اور فرشتے سوالات پوچھنے آتے ہیں اور جنت یا جہنم کی طرف سے ایک کھڑکی قبر میں کھول جاتے ہیں۔ اُس دُوسری زِندگی کے بعد ہمیں روزِ محشر اللہ ربّ العزّت کی طرف لوٹایا جائے گا۔ یوں **حیاتِ برزخی کا دَورانیہ قبر میں سوالات کیلئے فرشتوں کی آمد سے لے کر روزِ محشر پھونکے جانے والے صورِ اِسرافیل تک طویل ہے۔**

یہ تو ایک عام اِنسان (خواہ وہ مسلمان ہو یا کافر) کی حیاتِ برزخی کا معاملہ تھا، آیئے اَب حیاتِ شہداء کے سلسلے میں سورۂ بقرہ ہی کی ایک اور آیتِ مبارکہ ملاحظہ کرتے ہیں:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِی سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں اُنہیں مت کہا کرو کہ یہ مردہ

تَشْعُرُوْنَo (البقرہ،۲:۱۵۴)

ہیں، (وہ مردہ نہیں) بلکہ زندہ ہیں لیکن تمہیں (اُن کی زندگی کا) شعور نہیںo

اِسی مضمون کو سورۂ آل عمران میں کچھ مختلف اَلفاظ کے ساتھ یوں اِرشاد فرمایا گیا:

وَ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللهِ أَمْوَاتاً بَلْ أَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَo (آل عمران،۳:۱۶۹)

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جائیں اُنہیں ہرگز مردہ خیال (بھی) نہ کرنا بلکہ وہ اپنے ربّ کے حضور زندہ ہیں، اُنہیں (جنت کی نعمتوں کا) رِزق دیا جاتا ہےo

شہداء کی حیات پر تو ہر مسلک کے پیروکار قائل ہیں تاہم مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ کے علاوہ متعدّد اَحادیثِ مبارکہ میں بھی کفار و مشرکین کی موت کے بعد حیات اور زِندہ لوگوں کے کلام کو مرنے کے بعد سننے پر قدرت کا ثبوت پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر غزوۂ بدر کے بعد سرورِ کائنات ﷺ نے خود کفار و مشرکین میں سے قتل ہو جانے والوں کو نام لے لے کر پکارا اور اُن سے پوچھا:

فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟

تحقیق ہم نے اپنے ربّ کے وعدے کو بالکل درست پایا، سو (اے کفار و مشرکین) کیا تم نے بھی اپنے ربّ کا وعدہ سچا پایا؟

اِس موقع پر سیدنا عمر بن الخطابؓ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں یوں عرض گزار ہوئے : ''حضور! آپ ایسے جسموں سے خطاب فرما رہے ہیں جن میں روح ہی نہیں''۔ اِس پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام سے مخاطب ہو کر فرمایا:

وَ الَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِهِ! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُوْلُ مِنْهُمْ. (صحیح البخاری، کتاب المغازی، ۲:۵٦٦)	اُس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے، میں اُن (کفار و مشرکین) سے جو باتیں کر رہا ہوں وہ اُنہیں تم سے بڑھ کر سننے پر قادر ہیں۔

صحیح بخاری کی اِس حدیثِ مبارکہ سے تو کفار و مشرکین تک کی بعد از موت برزخی زِندگی میں میسر قوتِ سماعت نہ صرف عام زِندہ اِنسانوں بلکہ زِندہ صحابہ کرامؓ کی سماعت سے بھی بڑھ کر قرار پا رہی ہے۔

اِسی طرح محسنِ کائنات ﷺ نے مسلمانوں کے قبرستان کے پاس سے گزرنے والے ہر شخص کو یہ تعلیم دی کہ وہ اہلِ قبور کو نہ صرف حرفِ نداء ''یَا'' کے ذریعے مخاطب کرے بلکہ اُن پر سلام بھی بھیجے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمان اپنے بچوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ قبرستان کے پاس گزرتے وقت ''**السَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا أَهْلَ الْقُبُوْرِ**'' ضرور کہا کریں۔

جب کفار و مشرکین کی حیات، عامۃ المؤمنین کی حیات اور شہداء و صالحین کی حیات اپنے اپنے حسبِ حال قرآن و حدیث کی نصوص سے ثابت ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور بالخصوص تاجدارِ انبیا ﷺ کی حیات کا اِنکار کیا جائے؟ باوجود یہ کہ آنحضور ﷺ واشگاف اَلفاظ میں بارہا یہ اِعلان فرما چکے ہیں کہ:

إِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْأَرْضِ أَنْ تَأْکُلَ أَجْسَادَ الْأَنْبِیَآءِ، فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُّرْزَقُ۔

(سنن النسائی، کتاب الجمعہ، ۱: ۲۰۴)

(سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، ۱: ۱۵۷)

(سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز: ۱۱۹)

اللہ تعالی نے زمین پر حرام قرار دیا ہے کہ وہ انبیاء کے اجسام کو کھائے۔ پس انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اور اُنہیں رزق بہم پہنچایا جاتا ہے۔

اِس حدیث مبارکہ سے بالصراحت یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کی قدرتِ کاملہ سے انبیاء علیہم السلام اپنی قبور میں زِندہ ہوتے ہیں۔ ایک حدیثِ مبارکہ میں تو یہاں تک وارِد ہے کہ سرورِ کائنات ﷺ کے سامنے اُمت کے اَعمال پیش کئے جاتے ہیں، نیک اَعمال پر حضور ﷺ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں جبکہ بداَعمالیوں پر اللہ کے حضور اُمت کی مغفرت کے لئے دُعا فرماتے ہیں۔ حدیثِ مبارکہ کے اَلفاظ یہ ہیں:

تُعرضُ علیّ أعمالُکم فما رأیتُ مِن خیرٍ حمدتُ اللّٰہ علیہِ وَ ما رأیتُ مِن شرٍّ استغفرتُ اللّٰہ لکُم۔

(مجمع الزوائد، ۹: ۲۴)

مجھ پر تمہارے اَعمال پیش کئے جاتے ہیں اگر وہ اچھے ہوں تو میں اللہ کا شکر بجا لاتا ہوں اگر اَعمال اچھے نہ ہوں تو اللہ کے حضور تمہاری مغفرت کے لئے دُعا کرتا ہوں۔

وہ خدائے ذوالجلال جو اِس دنیا میں اور آخرت میں جمیع اِنسانیت کو زِندگی عطا کرنے اور رِزق مہیا کرنے پر قادِر ہے وُہی انبیائے کرام علیہم السلام کو قبروں میں بھی زِندہ رکھنے اور رِزق بہم پہنچانے پر قادِر ہے۔ اِسلامی لٹریچر میں دَر آنے والی

یونانی فلاسفہ کی رُوح کی برزخی حیات پر اُلجھا کر رکھ دینے والی غیر فطری و غیر سائنسی بحثیں اِسلام کے غیر متغیر اور اٹل فطری اُصولوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اَحکامِ اِسلام صاف اور کھرے اَنداز میں اقسامِ حیات اور حیاتِ برزخی کے حامل افراد کو پکارنے کے بارے میں اللہ ربّ العزّت کی تعلیمات کو واضح کر رہے ہیں اور اِس بات کا واشگاف اَلفاظ میں اِعلان کر رہے ہیں کہ اَنبیاء علیہم السلام، شُہداء، صلحاء، عام مسلمان حتی کہ کفّار و مشرکین بھی اپنی قبروں میں زِندہ ہوتے ہیں۔ شہداء کو تو اَسبابِ برزخی کے تحت رِزق بہم پہنچائے جانے پر قرآنِ مجید خود شاہدِ عادل ہے۔ سو جو لوگ ظاہری حیات میں اِستغاثہ کو جائز مان کر موت کے بعد اِستغاثہ کو حرام بلکہ شِرک کا موجب قرار دے رہے ہیں اُن کے لئے اِتنی بات واضح ہوگئی کہ موت ایک لمحے کے ذائقے کا نام ہے جو آ کر چلی جاتی ہے۔ بقول حکیم الامتؒ:

موت تجدیدِ مذاقِ زِندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اِک پیغام ہے

حیاتِ دُنیوی اور قیامت کے روز عطا ہونے والی اُخروی حیات کے مابین حیاتِ برزخی کا زمانہ موجود ہوتا ہے۔ پس جیسے دُنیوی اور اُخروی حیات کے حامل فردِ بشر سے اِستمداد و اِستعانت اور اِستغاثہ کرنا جائز ہے بعینہٖ حیاتِ برزخی کے دَوران بھی اِستغاثہ رَوا ہے، اِس میں شِرک تو درکنار اُس کا ذرا سا شائبہ بھی موجود نہیں۔ کیونکہ دُنیوی، برزخی اور اُخروی، تینوں زندگیوں میں اللہ تعالی کو مستعانِ حقیقی اور بندے کو مستغاثِ مجازی مان کر اِستغاثہ کیا جاتا ہے جو کہ جائز ہے۔ مذکورہ تینوں اقسامِ حیات میں سے کسی بھی زِندگی میں بندے کو مستغاثِ حقیقی سمجھ لینا یقیناً شِرک ہے۔ واضح رہے کہ **شِرک کا سبب اَقسامِ حیات نہیں بلکہ حقیقت و مجاز کی تفریق ہے۔**

رُوح کی حیات اور اِستعداد

اَرواحِ اِنسانی کی حیاتِ برزخی کے دلیلِ قطعی کے ساتھ حق ثابت ہو جانے کے بعد اِستغاثہ بعد الموت کو ناجائز سمجھنا کم فہمی یا ہٹ دھرمی کے سِوا کچھ نہیں۔ اَرواحِ اَنبیاء وصلحاء سے اِستمداد و اِستغاثہ بالکل اُسی طرح روَا ہے جس طرح کسی زِندہ اِنسان یا فرشتوں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ جب ہم زِندگی میں کسی اِنسان سے مدد کے خواہاں ہوتے ہیں تو درحقیقت ہم اُس کی رُوح سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ جسمِ اِنسانی تو اصل اِنسان.....رُوح.....کا لباس ہوتا ہے۔ موت کے بعد جب رُوح جسم کی مادّی بندشوں سے آزاد ہو جاتی ہے تو جسدِ خاکی کی آلائشوں سے آزاد ہو جانے کی وجہ سے فرشتوں کی طرح بلکہ اُن سے بھی بڑھ کر غیر مادّی اَفعال سرانجام دینے پر قادِر ہو جاتی ہے۔ ہمارے مادّی عالم میں جو قوانینِ تصرّف معروف ہیں رُوح اُن قوانین کی پابندی سے مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے کیونکہ اُس کا عالم.....عالمِ امر.....جسم کے اِس عالمِ اَسباب سے مختلف ہوتا ہے۔ اِسی حقیقت کے بارے میں اِرشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ، قُلِ الرُّوْحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّی۔ (الاسراء، ۱۷:۸۵)

اور یہ (کفار) آپ سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں، فرما دیجئے رُوح میرے ربّ کے اَمر سے ہے۔

اَرواح کو حیاتِ برزخی میں عالمِ امر کی جو زندگی میسر ہوتی ہے اُس میں وہ دُنیا کی جسمانی زِندگی سے بڑھ کر اَعمال و اَفعال پر قادِر ہو جاتی ہیں اور اپنے پکارنے والوں اور مدد طلب کرنے والوں کی مدد کو پہنچ سکتی ہیں۔ اگر اِستغاثہ کو صرف

محسوسات ومبصرات ہی کے تحت جائز سمجھا جائے تو یہ اِیمان کا شیوہ نہیں بلکہ فلسفے کا طریق ہے جبکہ قدیم فلسفے کی اَبحاث ایمانی اَسرار کی آ گہی نہیں دے سکتیں۔ اِیمانی اَسرار کو جاننے کے لئے حلاوتِ قلبی اور کیفیاتِ عشقی درکار ہیں۔ واضح رہے کہ اَنبیاء وصلحاء کا اپنے مستغیثین کی اِمداد کرنا یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ مدد کے طالِب کے لئے اللہ تعالی کی بارگاہ میں دُعا فرمائیں اور اللہ ربّ العزّت اُن کی دُعا کو شرفِ قبولیت عطا کرتے ہوئے متعلقہ شخص کی حاجت پوری کر دے۔ یہ بالکل اُسی طرح ہے جیسے بڑا کسی بچے کے لئے یا بھائی اپنے بھائی کے لئے دُعا کرے۔ مسئلہ فقط یہ ہے کہ معترضین اہلِ قبور کی حیات کا اِنکار کر کے اُنہیں دُعا کر سکنے کے قابل بھی نہیں سمجھتے جبکہ صحیح اِسلامی عقیدہ یہ ہے کہ وہ زِندہ ہیں، اپنے شعور و اِدراک کے تحت زائرین کو پہچانتے ہیں۔ جسم سے جدا ہو جانے کے بعد رُوح کا شعور مزید کامل ہو جاتا ہے اور شہواتِ بشریہ کے زائل ہو جانے کی وجہ سے خاکی حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔

اِستغاثہ کا معاملہ یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جس ذات سے مدد طلب کی جاتی ہے وہ اللہ ربّ العزّت ہی ہے مگر سائل یوں عرض کناں ہوتا ہے کہ گویا وہ نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے اللہ تعالی سے حاجت رَوائی کا خواہشمند ہے۔ وہ اللہ کے مقرّب بندوں کا وسیلہ پکڑ کر اللہ تعالی سے عرض کرتا ہے کہ میں اِن اَولیاء وصلحاء کے محبین یا محبوبین میں شامل ہوں لہٰذا اُن کی محبت اور قرابت داری کی وجہ سے خصوصی رحم و کرم کا مستحق ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالی تاجدارِ کائنات ﷺ یا دُعا میں مذکورہ اولیائے کرام کے صدقے اُس شخص کی خطاؤں کو معاف فرما دیتا ہے اور اُس کی حاجات پوری کر دیتا ہے۔

نمازِ جنازہ پڑھنے والوں کا میت کی بخشش کے لئے دُعا کرنا بھی اِسی قبیل سے ہے، کیونکہ جنازہ میں موجود لوگ اپنے آپ کو اللہ کی بارگاہ میں میّت کی مغفرت کا وسیلہ بناتے اور اُس کے مددگار بنتے ہیں۔

باب چہارم

اِزالۂ اِشکالات

اَنبیاء، اَولیاء اور صلحاء وشہداء سے اِستعانت، اِستمداد اور اِستغاثہ اگرچہ عین حق و صواب ہے اور تعلیماتِ قرآن وسنت سے ثابت ہے، تاہم معترضین چند مَن گھڑت وُجوہات کی بناء پر اِستغاثہ پر شِرک کا کتبہ آویزاں کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ اِس باب میں ہم اِستغاثہ پر کئے جانے والے چند اہم اِعتراضات کا باری باری جائزہ لیتے ہوئے قرآن وحدیث سے اِستغاثہ کے ثبوت پر مبنی مدلّل جوابات پیش کریں گے۔

پہلا اِعتراض

اِستغاثہ فی نفسہٖ عبادت ہے

اِستغاثہ بالغیر کو شِرک قرار دینے کے لئے سب سے پہلے اِسے داخلِ عبادت کر کے کہا جاتا ہے کہ چونکہ اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت شِرک ہے لہٰذا اللہ ربّ العزّت کے سوا کسی اور سے اِستعانت واِستغاثہ بھی شِرک ہے۔ مذکورہ مؤقف کو ثابت کرنے کے لئے کئی آیات بھی بطور دلیل پیش کی جاتی ہیں۔ مثلاً اِرشادِ ربانی ہے:

۱۔ أَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ۔ (النمل، ۲۷:۶۲)

بھلا مضطرب کی التجاء کو جب وہ اسے پکارتا ہے تو کون سنتا ہے اور (کون اس کے) دکھ درد کو دور کرتا ہے!

۲۔ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّ هُمْ يُخْلَقُوْنَ o أَمْوٰتٌ غَيْرُ أَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ أَيَّانَ يُبْعَثُوْنَo
(النحل، ۱۶: ۲۰، ۲۱)

اور جنہیں یہ (مشرک) لوگ اللہ کے سوا پوجتے ہیں وہ کچھ بھی پیدا نہیں کرسکتے بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیںo (وہ) مردے ہیں زندہ نہیں اور انہیں (اتنا بھی) شعور نہیں کہ (لوگ) کب اٹھائے جائیں گےo

۳۔ وَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا قِطْمِيْرٍ o إِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَ لَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَ لَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ o
(فاطر: ۳۵: ۱۳، ۱۴)

اور جن کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے ایک چھلکے کے بھی مالک نہیںo اگر تم اُنہیں پکارو بھی تو وہ تمہاری پکار نہ سن سکیں گے۔ اور اگر (بالفرض) سن بھی لیں تو تمہاری فریاد کو نہ پہنچ سکیں گے اور قیامت کے دن تمہارے شریک ٹھہرانے سے انکار کر دیں گے اور باخبر کی طرح تمہیں کوئی خبر نہ دے گاo

٤ ۔ وَ مَنْ أَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَ هُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غَافِلُوْنَo

(احقاف، ۴۶:۵)

اور اس سے بڑھ کر کون گمراہ ہوسکتا ہے جو اللہ کے سوا ایسے (معبودوں) کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کو نہ پہنچ سکیں بلکہ ان کو انکے پکارنے کی خبر تک نہ ہوo

٥ ۔ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَ مَا لَا يَنْفَعُهٗ

(الحج، ۲۲:۱۲)

وہ (شخص) اللہ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتا ہے جو نہ اسے نقصان پہنچا سکے اور نہ ہی اسے نفع پہنچا سکے۔

٦ ۔ وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذاً مِّنَ الظَّالِمِيْنَo وَ إِنْ يَّمْسَسْكَ اللهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗ إِلَّا هُوَ۔

(یونس، ۱۰:۱۰۶، ۱۰۷)

اور نہ اللہ کے سوا ان (بتوں) کی عبادت کریں جو نہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ تمہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں، پھر اگر تم نے ایسا کیا تو بے شک تم اس وقت ظالموں میں سے ہوجاؤ گےo اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں۔

۷۔ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ أَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ۔	وہ اسے پوجتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ قریب ہے۔
(الحج، ۲۲:۱۳)	

مذکورہ بالا آیاتِ مبارکہ میں غیر اللہ کو پکارنے والوں کی مذمّت کی گئی ہے۔ اِسی چیز کو بنیاد بنا کر یہ اِستدلال کیا جاتا ہے کہ مدد چاہنا اور پکارنا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے لہٰذا کسی اور سے کیا گیا اِستغاثہ صفاتِ اُلوہیت میں شرک تصور ہوگا۔ یہ اِستنباط بذاتِ خود غلط ہے۔ ذیل میں ہم اِس تصوّر کو واضح کریں گے۔

ہر اِستغاثہ عبادت نہیں ہوتا

مذکورہ آیاتِ مبارکہ میں لفظِ ''دُعا'' عبادت کے معنی میں اِستعمال ہوا ہے۔ قرآنِ مجید میں لفظِ ''دُعا'' ہر جگہ عبادت کے معنی میں مستعمل نہیں ورنہ بھٹکے ہوئے اَذہان تو (معاذ اللہ) انبیاء علیہم السلام اور خود ذاتِ باری تعالیٰ پر بھی بہتان تراشی سے باز نہیں آتے اور دُور کی کوڑی لا کر اپنے مؤقف کو ثابت کرنے کی سعیٔ ناکام میں مصروف نظر آتے ہیں۔ مثلاً قرآنِ مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

۱۔ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَآئَنَا وَ أَبْنَآءَكُمْ۔	تو آپ فرما دیں کہ آ جاؤ ہم (مل کر) اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو بلا لیتے ہیں۔
(آل عمران، ۳:۶۱)	

۲۔ فَجَآءَتْهُ إِحْدٰهُمَا تَمْشِیْ عَلَی اسْتِحْيَآءٍ قَالَتْ إِنَّ أَبِیْ يَدْعُوْكَ لِيَجْزِيَكَ أَجْرَمَا سَقَيْتَ لَنَا۔

(القصص، ۲۸:۲۵)

چنانچہ ان (لڑکیوں) میں سے ایک شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی ان کے پاس آئی (اور) کہا میرے باپ آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے جو ہماری خاطر (ہماری بکریوں کو) پانی پلایا تھا اس کا بدلہ دیں۔

۳۔ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِيْنَكَ سَعْيًا ط

(البقرہ، ۲:۲۶۰)

پھر (انہیں ذبح کر کے) ان کا ایک ایک حصہ ایک ایک پہاڑ پر رکھ دو، پھر انہیں بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آ جائیں گے۔

٤۔ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ أُنَاسٍ م بِإِمَامِهِمْ۔

(الاسراء، ۱۷:۷۱)

جب ہم لوگوں کے ہر طبقہ کو ان کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے۔

اِس آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اِمامِ زماں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بِإِمَامِ زَمَانِهِمُ الَّذِیْ دَعَاهُمْ فِیْ الدُّنْيَا إِلَی ضَلَالَةٍ أَوْ هُدیً۔

(تفسیر معالم التنزیل، ۳:۱۲۶)

اِس سے وہ اِمامِ زماں مُراد ہے جس کی دَعوت پر دُنیا میں لوگ چلے ہوں، خواہ وہ (دَعوت) گمراہی کی

طرف ہو یا ہدایت کی طرف۔

مُراد یہ ہے کہ ہر قوم اپنے سردار کے پاس جمع ہوگی جس کے حکم پر دُنیا میں چلتی رہی اور انہیں اللہ ربّ العزّت خود اُسی کے نام سے پکارے گا کہ ''اَے فُلاں کے متّبعین! تمہارا انجام اس کے ساتھ ہے''۔

اَلغرض مذکورۂ الصّدر آیاتِ بینات میں لفظِ دُعا کا معنی عبادت کرنے سے بذاتِ خود شرک کا راستہ کھلتا ہے لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر دُعا کی نسبت کافر اور مشرک کی طرف کریں تو اس کا معنی عبادت ہوگا ورنہ سیاق و سباق سے معنی بدلتا رہے گا۔ اِستغاثہ کے عدم جواز میں جو آیات بطور اِستدلال پیش کی جاتی ہیں، اُن میں دُعا کی نسبت کفار و مشرکین کی طرف ہے لہٰذا وہاں معنی **عبادت** ہی کیا جائے گا لیکن اُن سے اِستغاثہ کا عدم جواز بالکل ثابت نہیں ہوتا، اِس لئے کہ جن مقبولانِ بارگاہِ الٰہی سے اِستغاثہ کیا جاتا ہے اُنہیں قطعاً قابلِ عبادت نہیں سمجھا جاتا۔

دُوسرا اِعتراض
مافوق الاسباب اُمور میں اِستغاثہ شرک ہے

مذکورہ بالا اِعتراض کی بنیاد ایک تقسیم پر مبنی ہے۔ اِستغاثہ کی بحث کے دوران اَسباب کے ضمن میں عام طور پر اُمور کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

۱۔ اُمورِ عادیہ ..... یعنی ..... اُمور ما تحت الاسباب

۲۔ اُمورِ غیر عادیہ ..... یعنی ..... اُمور ما فوق الاسباب

اِس تقسیم کے تحت ماتحت الاسباب ہونے کے ناطے اُمورِ عادیہ میں اِستغاثہ کو جائز سمجھا جاتا ہے، جبکہ اُمورِ غیر عادیہ جو مافوق الاسباب ہوتے ہیں، میں اِستغاثہ کو شِرک قرار دیا جاتا ہے۔ وہ کام جو بالعموم اَسباب کے ذریعے سرانجام پاتے ہیں ان عادی اَسباب کو ترک کر کے مدد چاہنا اِستغاثہ مافوق الاسباب کہلاتا ہے اور اَسبابِ عادیہ کو اِختیار کرتے ہوئے مدد چاہنا ماتحت الاسباب ہے، یعنی اس میں کسی سے مدد چاہتے ہوئے ان اسباب کو اختیار کرلیا جاتا ہے جو بالعموم اس امر سے متعلق ہوتے ہیں۔ اِس تقسیم کے بعد یہ امر پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ اُن کے نزدیک دُنیوی حوائج میں آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور باہمی اُمور میں تعاون کرنا اِستغاثہ ماتحت الاسباب ہے اور یہ جائز ہے، جیسے اِرشادِ ربانی ہے:

وَ تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی۔ (المائدہ، ۵:۲)

اور نیکی اور تقویٰ (کے کاموں) میں ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو۔

ماتحت الاسباب اُمور میں اِستغاثہ کو رَوا رکھنے کے ساتھ ساتھ اُن کے نزدیک وہ اِستغاثہ جو مافوق الاسباب اُمور میں سے ہو وہ حرام و ناجائز ہے۔

اِعتراض کا علمی محاکمہ

پہلا نکتہ: اِستغاثہ ماتحت الاسباب اور اِستغاثہ مافوق الاسباب (اُمورِ عادیہ و غیر عادیہ) میں سے مؤخر الذکر کو شِرک قرار دیا جارہا ہے جبکہ اِس تقسیم اور اس کے تحت پائی جانے والی ایک قسم کے جواز اور دُوسری کے عدمِ جواز کا قرآن و سنت میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ

ایک خودساختہ تقسیم ہے اور اِستنباط و اِستخراج کا نتیجہ ہے۔ کسی قسم کی کوئی نصِ قرآنی اِستغاثہ کے ضمن میں اَسباب کے حوالے سے پائی جانے والی تقسیم پر شاہد نہیں۔

یہاں ہمیں یہ بات بھی ذِہن نشین رکھنی چاہیئے کہ اُمورِ مافوق الاسباب میں بھی کسی نہ کسی سطح کے اَسباب ضرور کارفرما ہوتے ہیں۔ ''کُنْ فَیَکُوْن'' کے علاوہ کوئی اَمر مافوق الاسباب نہیں۔ مگر چونکہ بعض اُمور کے اَسباب ہمیں ظاہری طور پر نظر نہیں آتے اِس لئے ہم اُنہیں عام طور پر اُمورِ مافوق الاسباب کا نام دیتے ہیں۔

دُوسرا نکتہ: سورۂ فاتحہ کی جس آیتِ کریمہ کو مسئلہ کی بنیادی کڑی اور اصل سمجھا جاتا ہے خود اُس میں اَسباب کے تحت کی جانے والی کسی تقسیم کا قطعاً کوئی ذِکر نہیں کیا گیا اور ''إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' کہہ کر مدد طلب کرنے کو مطلق رکھا گیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ أَلْمُطْلَقُ يَجْرِیْ عَلَی إِطْلَاقِهٖ (مطلق اپنے اِطلاق پر جاری رہتا ہے) اِس لئے ہم کسی خودساختہ تقسیم کے تحت یہ معنی متعین نہیں کر سکتے کہ **اَے باری تعالیٰ! ہم تُجھ سے صرف مافوق الاسباب اُمور میں مدد چاہتے ہیں کیونکہ وہ تیرے علاوہ اور کوئی نہیں کرسکتا، رہی بات ماتحت الاسباب اُمور کی تو اُن میں چونکہ تیرے علاوہ حصولِ مدد کے اور بھی کثیر ذرائع موجود ہیں اِس لئے اُن معاملات میں تُجھ سے مدد مانگنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔** اِس طرح کی تقسیم کم علمی اور نادانی کے سِوا کچھ نہیں اور یہی صحیح معنوں میں شِرک میں مبتلا کرنے والی ہے۔

تیسرا نکتہ: تفہیمِ مسائل، رفعِ اِلتباس اور بعض اشیاء کو بعض سے ممیّز کرنے کے لئے تقسیمات کی جاتی ہیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' میں مذکورہ تقسیم کی

عدم ضرورت کے باوجود تقسیم کرنے اور پھر ماتحت الاسباب میں اِستغاثہ کو جائز سمجھنے کا کیا جواز ہے؟ جبکہ مافوق الاسباب میں شرک کے فتاویٰ جائز اور دُرست قرار دیئے جا رہے ہیں۔ اگر ''إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' میں اِستغاثہ حقیقی اور اِستغاثہ مجازی کی تقسیم کی جائے تو پھر اُس کو تسلیم کیوں نہیں کیا جاتا؟ فی الواقع ''إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' میں تقسیم تو ہے مگر ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کی بجائے حقیقت اور مجاز کی ہے۔

صحیح اِسلامی عقیدہ

''إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' کے کلمات میں بندہ باری تعالیٰ سے عرض کناں ہوتا ہے کہ اے اللہ! ہم اپنی ضروریات کی کفالت کے لئے ظاہراً کسی سے بھی مدد کے طلبگار ہوں اُس کو مُستغاثِ حقیقی خیال نہیں کرتے بلکہ مُستغاثِ حقیقی فقط تجھی کو سمجھتے ہیں کیونکہ تیری عدم رضا کی صورت میں کوئی ہمارا مددگار اور پُرسانِ حال نہیں ہوسکتا۔ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ خواہ ہم ڈاکٹر کے علاج معالجہ سے شفایاب ہو رہے ہوں یا کسی بزرگ کے دُعا سے، کسی کو بھی مستعانِ حقیقی خیال نہیں کرتے بلکہ حقیقی مددگار تو اللہ ربّ العزّت ہے۔ ہم دوا اور دُعا دونوں کو سبب سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے کیونکہ اصل مُستغاث اور کارساز تو ہی ہے۔

چوتھا نکتہ: اب غور طلب بات یہ ہے کہ دونوں تقسیموں، ''مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب'' اور ''حقیقت و مجاز'' میں تطبیق کیونکر ممکن ہے؟ بلاشبہ بعض اُمورِ حیات میں ماتحت الاسباب اور مافوق الاسباب کی تقسیم رَوا ہے۔ یہ امرِ واقعہ ہے اور فہم و شعور

میں سمانے والی چیز ہے جس کا ثبوت لانے کی بھی ضرورت نہیں۔ کچھ اُمور ماتحت الاسباب حل ہوجاتے ہیں اور کچھ اُمور کا حل مافوق الاسباب تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اَسباب دراصل دونوں صورتوں میں پائے جاتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ ماتحت الاسباب اُمور میں اَسباب بدیہی ہوتے ہیں جبکہ مافوق الاسباب اُمور میں اَسباب عام آدمی کی نظر سے اوجھل ہوتے ہیں۔ ماتحت الاسباب کو ظاہری اور مافوق الاسباب کو رُوحانی اور باطنی اَسباب کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ مافوق الاسباب اُمور میں اگرچہ اسبابِ عادیہ کا ترک ہوتا ہے مگر اسبابِ غیر عادیہ کا وُجود تو بہرطور یہاں بھی پایا جاتا ہے۔ گویا حقیقی معنوں میں کوئی بھی اُمور مطلقاً مافوق الاسباب نہیں ہوتے۔ فرق صرف اِتنا ہے کہ ماتحت الاسباب میں اسباب ظاہری ہوتے ہیں جو عام بندے کو دِکھائی دے جاتے ہیں۔ جبکہ مافوق الاسباب میں اسباب غیر عادیہ ہونے کی وجہ سے فردِ بشر کی عام نظر سے دکھائی نہیں دے پاتے۔

جب انبیاء، اولیاء، صلحاء یا کسی بھی فردِ بشر کو عالمِ اسباب کے اندر رہتے ہوئے اسی سے متعلق مدد طلب کی جائے تو وہ الفاظ جو حصولِ مدد کے لئے استعمال ہوں اُنہیں حقیقی معنی پر محمول کیا جائے گا، مگر مستغاثِ حقیقی اس صورت میں بھی اللہ تبارک وتعالی کی ذاتِ برحق ہوگی۔ اور اُمورِ عادیہ کے ماوراء اَسباب کی دُنیا میں جب مدد طلب کی جائے گی تو اِستغاثہ کے لئے اِستعمال ہونے والے اَلفاظ مجازاً اِستعمال ہوں گے جبکہ اِعتقاد اس صورت میں بھی اللہ ربّ العزّت ہی کے مُستغاثِ حقیقی ہونے کا ہوگا۔ یعنی معنی حقیقی دونوں صورتوں میں سے کسی میں بھی نہیں پایا جائے گا۔ فرق صرف اِتنا ہے کہ ماتحت الاسباب میں لفظ کا اِستعمال حقیقت پر مبنی تھا اور مافوق الاسباب میں حقیقی معنی مراد لینا

متعذر تھا، اِس لئے لفظ کو بھی حقیقت پر محمول نہ کیا گیا۔ الغرض معناً اور عقیدۃً اِستغاثہ حقیقی اللہ ربّ العزّت ہی کے لئے خاص ہے۔ (توحید اور شِرک سے متعلقہ اَبحاث کے مطالعہ کے لئے راقم کی کتاب ’’عقیدۂ توحید اور حقیقتِ شِرک‘‘ ملاحظہ فرمائیں)۔

حقیقت ومجاز کی تقسیم لابدّی ہے

نفسِ اِستغاثہ کا اِنکار کرنے والے ایک طبقے کا مؤقف یہ ہے کہ ماتحت الاسباب اُمور میں اِستغاثہ جائز ہے، جبکہ اِس سلسلے میں حقیقت ومجاز کی کوئی حیثیت نہیں۔.....اب اس مؤقف کے قائل لوگوں سے سوال یہ ہے کہ اگر ماتحت الاسباب میں اِستغاثہ کو جائز اور درست مانا جائے اور اِستغاثہ حقیقی ومجازی کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر ماتحت الاسباب اُمور میں مُستغاثِ حقیقی کون ہوگا؟.....اگر مریض کسی ڈاکٹر کے پاس علاج کے لئے جائے تو مُستعانِ حقیقی کون ہوا؟.....کیا مُستعانِ حقیقی وہ ڈاکٹر جو مریض کے معالجے کی تدبیر کر رہا ہے یا کہ اللہ تعالیٰ؟.....اگر اِس کا جواب یہ ہو کہ دُنیوی اُمور میں بھی مُستعانِ حقیقی اللہ ہی ہے تو مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب میں باہم فرق کیا رہا؟..... مافوق میں اسی اِستغاثہ کا نام شِرک اور ماتحت الاسباب میں اجازت! یہ کہاں کا اصول ہے کہ حقیقت ومجاز کا فرق ملحوظ رکھے بغیر مُستعانِ مطلق بھی اللہ کو قرار دیا جائے اور اُس کے غیر سے مدد بھی طلب کرتے پھریں؟ حالانکہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَo (الانبیاء، ۲۱:۱۱۲)	اور ہمارا ربّ بے حد رحم فرمانے والا ہے اسی سے مدد طلب کی جاتی ہے ان (دل آزار) باتوں پر جو (اے کافرو!) تم بیان کرتے ہوo

دُوسری صورت میں اگر اِس کا جواب یہ دِیا جائے کہ اُمورِ ماتحت الاسباب میں مستغاثِ حقیقی اللہ تبارک وتعالیٰ نہیں اِنسان ہی ہے تو اس سے تعدّد لازِم آئے گا..... جو یقیناً شِرک ہے..... کہ دُنیوی کاموں میں مستعان بندہ ہو اور مافوق الاسباب کاموں میں اللہ تعالیٰ۔ اِس دُوئی کی بنا پر جب بندے کو مستغاث ومستعان تسلیم کیا جائے تو **یہ بالکل اُسی طرح کا شِرک قرار پائے گا جو کفار ومشرکینِ مکہ کا تھا** کہ وہ دُنیوی اُمور میں بندوں کو مددگار تسلیم کرتے اور دیگر اُمور میں اللہ تعالیٰ کو مددگار مانتے تھے۔ اور اگر یہ بات کی جائے کہ دنیاوی اُمور میں بھی مستعان اللہ ہی ہے تو پھر اس کے غیر سے مدد مانگنا کیونکر درست ہوگیا؟

فیصلہ کن بات یہ ہے کہ جب معترضین کے نزدیک اُمورِ ماتحت الاسباب میں مُستغاثِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور مخلوق سے اِستعانت فقط ظاہری اور مجازی معنی میں ہے، حقیقی معنی میں نہیں،.....تو اِس صورت میں ایک سوال یہ اُبھرتا ہے کہ اگر ماتحت الاسباب میں غیر سے مدد چاہنا اِستغاثہ مجازی ہونے کی وجہ سے جائز ہے تو مافوق الاسباب میں مجاز ہونے کے باوجود کیسے حرام ہوگیا؟ جبکہ وہاں بھی اِستغاثہ حقیقی کی بجائے اِستغاثہ مجازی ہی تھا۔

مافوق الاسباب اُمور میں مجاز کا جواز

مافوق الاسباب اُمور میں مجاز کا اِستعمال اِس لحاظ سے بھی جائز ہے کہ وہ بظاہر تو اگرچہ اِستغاثہ ہوتا ہے مگر اِس سے مفہوم اور مُراد توسل ہوا کرتا ہے، اور مستعانِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی کو جانا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ اِستغاثہ کا مجازی معنی میں اِستعمال قرآنِ مجید میں کئی صورتوں میں ہوا ہے، جن میں سے اکثر استعمالِ مجاز مافوق الاسباب کے لئے ہوا ہے۔ قرآنِ حکیم میں مجاز کا اِستعمال جس کثرت کے ساتھ ہوا ہے اُس میں سے چند مقامات کا ہم یہاں ذِکر کریں گے تاکہ قارئین کے اذہان وقلوب میں یہ تصوّر اچھی طرح سے راسخ ہو جائے کہ حقیقت ومجاز کی تقسیم سے اِنکار کی صورت میں کس قدر خطرناک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

جبرائیل علیہ السلام پر شِرک کا فتویٰ؟

حضرت جبرائیل علیہ السلام جب اللہ کے اِذن سے سیدنا عیسیٰؑ کی وِلادت کے سلسلے میں حضرت مریم علیہا السلام کے پاس اِنسانی رُوپ میں آئے تو اُن سے کہا:

۱ ✦ نَّمَا	(جبرائیل نے) کہا میں تو فقط تیرے
أَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ	ربّ کا بھیجا ہوا ہوں (اس لئے آیا
غُلَاماً زَكِيًّاo	ہوں) کہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا
(مریم، ۱۹:۱۹)	عطا کروںo

مذکورہ بالا آیت میں جبرائیلِ امینؑ کا قول اُمورِ مافوق الاسباب میں سے ہے کیونکہ شادی اور ازدواجی زندگی کے بغیر بیٹے کا ہونا اور اس پر یہ کہنا کہ: ''میں تجھے پاکیزہ بیٹا دوں'' مافوق الاسباب اُمور میں مدد کی بہت بڑی قرآنی مثال ہے اور اسبابِ عادیہ کے بغیر اِس دنیا میں اِس کا تصوّر بھی محال ہے۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص محض توسل کی نیت سے اللہ ربّ العزّت کے کسی برگزیدہ بندے کے وسیلے سے اولاد طلب کرے تو کچھ نادان دوست فی الفور شرک کا فتویٰ لگا دینے سے نہیں چوکتے جبکہ کوئی غیر خدا ..... جبرائیل علیہ السلام ..... کہے کہ ''**میں بیٹا دیتا ہوں**'' اور اللہ تعالیٰ خود اُس کا ذِکر قرآنِ مجید میں کرے تو کیا یہ اُسی طرح شرک نہیں ہوگا؟ مانگنے کی صورت میں تو مانگنے والا پھر بھی اِنسان ہی رہتا ہے مگر یہ کہنا کہ ''میں بیٹا دیتا ہوں'' اِس جملے کو اگر مجازی معنی پر محمول نہ کیا جائے تو حقیقی معنوں میں تو یہ سراسر خدا بننے کے مترادف ہے۔ اولاد سے نوازنا فعلِ اِلٰہی ہے اور بندے کا کام اُس سے اُس کی عطا کی بھیک مانگنا ہے۔ بندے کا غیر اللہ سے مانگنا اگر شرک ہے تو پھر کسی دینے والے غیرِ خدا کا قول یہ کہ ''میں بیٹا دیتا ہوں'' تو بدرجۂ اولیٰ شرک قرار دیا جانا چاہئیے۔ اِس مقام پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جبرئیلِ امین علیہ السلام تو ''**لِأَهَبَ لَكِ غُلَاماً**'' کہہ کر بھی (معاذ اللہ) مشرک نہ ہوئے بلکہ اُن کا قول، قولِ حق رہا تو اُن کے اس قول کی آخر کیا توجیہہ ہوگی؟

جواب: یہ قول تو اگرچہ روح الامین کا ہے کہ میں بیٹا دیتا ہوں مگر اِس سے مُراد یہ ہے کہ وہ بیٹا جو اللہ تبارک وتعالیٰ عطا فرمانے والا ہے ''میں'' اُس کا سبب، وسیلہ اور ذریعہ بنتا ہوں۔ پس مذکورہ آیتِ کریمہ میں ''**لِأَهَبَ لَكِ غُلَاماً**'' میں مدد دینے کا عمل پایا گیا

مگر اس سے مُراد محض توسل ہے اور ان کا بیٹا دینے کا قول مجازِ قرآنی کی ایک عمدہ مثال ہے۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر شرک کا فتویٰ؟

سیدنا عیسیٰؑ نے جب اپنی اُمت کے سامنے اِعلائے کلمہ حق کیا اور اُنہیں شرک سے باز آنے اور اللہ وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کی طرف بلانا چاہا تو اُنہوں نے اپنی قوم کو مختلف معجزات دِکھائے۔ قرآنِ مجید میں آپ کی اس دعوت کا ذکر یوں آیا ہے:

أَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِآیَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ أَنِّیْ أَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَهَیْئَةِ الطَّیْرِ فَأَنْفُخُ فِیْهِ فَیَکُوْنُ طَیْراً بِإِذْنِ اللهِ وَ أُبْرِئُ الْأَکْمَهَ وَ الْأَبْرَصَ وَ أُحْیِ الْمَوْتٰی بِإِذْنِ اللهِ وَ أُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَأْکُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ إِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَآیَةً لَّکُمْ إِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَo

(آل عمران، ۳:۴۹)

بے شک میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی جانب سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل جیسا (ایک پتلا) بناتا ہوں پھر میں اس میں پھونک مارتا ہوں سو وہ اللہ کے حکم سے فوراً اڑنے والا پرندہ ہو جاتا ہے۔ اور میں مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو شفا یاب کرتا ہوں اور میں اللہ کے حکم سے

مردے کو زندہ کر دیتا ہوں اور جو کچھ تم
کھا کر آئے ہو اور جو کچھ تم اپنے
گھروں میں جمع کرتے ہو میں تمہیں
(وہ سب کچھ) بتا دیتا ہوں، بے
شک اس میں تمہارے لئے نشانی ہے
اگر تم ایمان رکھتے ہوo

اس آیتِ کریمہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے دستِ اقدس سے کل پانچ معجزات کے ظہور کا ذکر آیا ہے:

۱۔ مٹی سے پرندہ بنا کر اُسے زِندہ کرنا
۲۔ مادرزاد اَندھے کا علاج
۳۔ سفید داغ (برص) کا علاج
٤۔ اِحیائے موتیٰ (مُردوں کو زندہ کرنا)
۵۔ غیب کی خبریں سرِعام بتانا

یہ پانچ معجزات اللہ ربّ العزّت نے حضرت عیسیٰؑ کو عطا فرمائے تھے اور آپؑ علی الاعلان ان کا اِظہار بھی فرمایا کرتے تھے، جس کی تصدیق خود باری تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمائی ہے۔ یہاں فقط اِتنا سمجھ لینا کافی ہوگا کہ اِس آیتِ کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں ''أَنِّیْ أَخْلُقُ لَکُمْ'' میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی مورت بناتا ہوں ''أَجْعَلُ'' کی بجائے ''أَخْلُقُ'' کا لفظ اِستعمال کیا گیا۔ اگر آپ غور کریں تو مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں ساری

بحث ہی حقیقت و مجاز کی ہے۔

حقیقی کارساز اللہ ربّ العزت ہی ہے

مذکورہ بالا آیاتِ کریمہ میں بھی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام مستعانِ حقیقی نہیں ہیں بلکہ اللہ ہی حقیقی مدد کرنے والا ہے۔ البتہ ان الفاظ کا اِستعمال فقط مجازاً ہوا ہے اور ساری بحث الفاظ پر ہے، لہٰذا اُصول اور ضابطہ یہ ہوا کہ ایسے الفاظ کا اِستعمال مجازاً جائز ہے۔ مذکورہ آیت میں تمام صیغے کلام کرنے والے کے ہیں مگر اِس کام کا حقیقت میں کارساز اللہ ہے گویا حقیقت باذن اللہ ہے۔ کلمات میں حقیقت و مجاز کی قرآنِ کریم کے حوالے سے یہ بہترین مثال ہے۔

کیا یہ معجزہ نہیں؟

اِس موقع پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ سارا ماجرا تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے اور اِستغاثہ کی بحث میں معجزے کا کیا کام کیونکہ اُس سے تو یہاں بحث ہی نہیں۔ اِس کا سادہ سا جواب یہ ہے کہ ''**معجزہ تو مریضوں کا شفایاب ہو جانا ہے نہ کہ اُن کا اپنی طرف شفا دینے کی نسبت کرنا**''۔ اصل بات یہی ہے کہ اُن کا اپنی طرف ان مافوق الفطرت اَعمال کی نسبت کرنا مجاز ہے اور شِفا اور بیماری درحقیقت اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ہے۔ جب یہ بات اٹل ہے کہ مادرزاد اندھے کو اور سفید داغ والے کو شفاء دینے والا اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہے تو پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ ''میں شفا دیتا ہوں''؟

چاہیئے تو یوں تھا کہ اِرشاد فرماتے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پھیرنے سے مادرزاد اَندھے کو بینائی دیتا ہے اور کوڑھی کو شفا عطا فرماتا ہے، معجزے کی شانِ اعجازی میں تب بھی کوئی فرق نہ آتا مگر اُنہوں نے مجازاً اِن اَلفاظ کی نسبت اپنی طرف کی۔

چوتھا قول اُنہوں نے فرمایا: وَ أُحْيِ الْمَوْتٰى بِإِذْنِ اللهِ ''اور میں مُردوں کو اللہ کے اِذن سے زندہ کرتا ہوں''۔ یہاں تو اِنتہاء ہوگئی..... ایسا نہیں فرمایا کہ تم مُردہ لے آؤ، میں اللہ سے اِلتجاء کروں گا، اللہ میری دُعا سے زندہ کردے گا، بلکہ یوں اِرشاد فرمایا: ''میں مُردوں کو اللہ کے اِذن سے زِندہ کرتا ہوں''۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ ان صیغوں اور کلمات کا اِستعمال اور اُن کی کسی فردِ بشر کی طرف نسبت مجازی طور پر جائز ہے۔ مذکورہ آیتِ کریمہ میں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا اپنی طرف اِن اَعمال و اَفعال کی نسبت کرنا نسبتِ مجازی ہونے کی بناء پر درست ہے اور اِسی آیت کے دُوسرے حصے میں آپ نے بِإِذْنِ اللهِ کے اَلفاظ کے ذریعے حقیقی کارساز اللہ ربّ العزّت ہی کو قرار دیا۔

پانچویں بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمائی: وَ أُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ''اور میں تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع کرتے ہو''۔ اس میں کوئی ذِکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مطلع فرمانے سے ایسا کرتا ہوں، بلکہ فرمایا: أُنَبِّئُكُمْ میں تمہیں خبر دیتا ہوں۔ اِن الفاظ میں صراحت کے ساتھ علمِ غیب کا پہلو پایا گیا کیونکہ اِس بات کا علم کہ کسی نے کون سی چیز کھائی ہے علمِ غیب ہے جو باری تعالیٰ کے بتائے بغیر کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے یوں نہیں فرمایا کہ خداوندِ قدّوس مجھے آگاہ فرماتا ہے۔ اگرچہ واقعتاً حقیقت یہی ہے کہ اللہ ہی آگاہ کرتا ہے مگر اُنہوں نے اِس بات کا اپنے اَلفاظ میں اِظہار نہیں فرمایا اور مجازی طور

پر اِس غیب کی نسبت اپنی طرف کی، جس سے یہ ظاہر ہوا کہ غیر اللہ کی طرف علمِ غیب کی نسبت مجازی طور پر جائز ہے ورنہ رسولِ خدا سے یہ فعل ہرگز سرزد نہ ہوتا۔

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے دعویٰ نبوت کے سلسلے میں جو اِعلانات فرمائے آج کے نام نہاد مؤحّدین کے مؤقف کی روشنی میں وہ سب کے سب شِرک کی زد میں آئے بغیر نہیں رہتے۔ اِس طرح کے طرزِ فکر سے تو اَنبیائے کرام جو خالصتاً توحید ہی کا پیغامِ سرمدی لے کر انسانیت کی طرف مبعوث ہوتے رہے ہیں، اُن کی قبائے عصمتِ نبوّت بھی تار تار ہوئے بغیر نہیں رہتی اور وہ بھی شِرک کے فتویٰ سے نہیں بچ سکتے۔

اللہ تعالیٰ پر شِرک کا فتویٰ؟

سورۂ آل عمران کی مذکورہ بالا آیتِ مبارکہ میں تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے اَلفاظ مذکور ہیں کہ میں اللہ کے اِذن سے مُردے زِندہ کرتا ہوں، مٹی سے پرندوں کی مُورتیں بنا کر اُن میں جان ڈالتا ہوں وغیرہ، مگر مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں تو خود اللہ تعالیٰ بھی اُن کے اِس فعل کی تصدیق فرما رہا ہے۔ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَ إِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِيْ۔ (المائدہ، ۵:۱۱۰)	اور جب تم میرے حکم سے مٹی کے گارے سے پرندے کی شکل کی مانند (مورتی) بناتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے عیسیٰ علیہ السلام میں نے تیرے لئے مٹی کے

پرندے بنائے اور زِندہ کر دیئے، تیرے لئے مادرزاد اَندھوں کو بینائی دی اور برص زدہ لوگوں کوشفا دی۔ باوجود یہ کہ اللہ تعالیٰ توحیدِ خالص کے حامل سادہ لوح مؤحّدین کی حسبِ خواہش حقیقت پر مبنی اِس اُسلوب کو اپنا بھی سکتا تھا، مگر اِس کے باوجود اُس خالق و مالک نے فرمایا:

فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ۔ (المائدہ، ۵: ۱۱۰)

پھر تم اس میں سے پھونک مارتے تھے تو وہ (مورتی) میرے حکم سے پرندہ بن جاتی تھی۔

رُوح پھونکنا دَرحقیقت فعلِ اِلٰہی ہے

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی میں رُوح پھونکنا اور جان ڈالنا خالقِ کائنات ہی کا کام ہے۔ مگر اُس نے خود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا: فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِإِذْنِيْ ''پھر تو اُس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اُڑنے لگتی'' وَ تُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَ الْأَبْرَصَ بِإِذْنِيْ ''اور جب تم مادرزاد اندھوں اور کوڑھیوں کو میرے حکم سے اچھا کر دیتے تھے'' وَ إِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِإِذْنِيْ ''اور جب تم میرے حکم سے مُردوں کو (زِندہ کر کے قبر سے) نکال (کھڑا کر) دیتے تھے''۔ اِن آیاتِ مبارکہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ایسے کلمات کا غیر اللہ پر اِطلاق مجازاً جائز ہے۔ اِن کلمات کو خود اللہ ربّ العزّت نے اِستعمال فرمایا اور انبیائے کرام علیہم السلام نے بھی اِستعمال کیا حالانکہ ایسے کلمات کی ادائیگی فرمانا اُن کی مجبوری نہ تھی۔ اللہ ربّ العزّت کا اپنے کلامِ مجید میں

اِن اَلفاظ کو مجازی معنی میں اِستعمال کرنا نہ صرف مجازی معنی کے جواز کا سب سے بڑا ثبوت ہے بلکہ اس کے سنتِ اِلٰہیہ ہونے پر بھی دالّ ہے۔

اِس ساری بحث سے ظاہری اور باطنی اَسباب کے لئے ایک خاص ضابطہ بھی میسر آتا ہے کہ تمام مافوق الاسباب اُمور میں اَلفاظ اگرچہ براہِ راست بندے اور مخلوق کی طرف منسوب ہوں تب بھی فاعلِ حقیقی اللہ تعالی ہی کو گردانا جائیگا کیونکہ کارسازِ حقیقی وُہی ہے۔

تیسرا اِعتراض

اِستغاثہ بالغیر میں سلطۂ غیبیہ کا شائبہ ہے

اِستغاثہ بالغیر کو شِرک قرار دینے کی تیسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ دُور سے مدد مانگنا مافوق الاسباب ہے، اور جس غیر اللہ سے مدد مانگی جارہی ہے اِس عمل سے اُس کے لئے سلطۂ غیبیہ.....یعنی غیبی قوّت واِقتدار.....کا اِقرار لازِم آتا ہے۔ جب آپ نے اُسے دُور سے پکارا تو گویا آپ کا یہ عقیدہ ونظریہ ہے کہ اُس کے پاس غیبی اقتدارِ اعلیٰ اور تصرّفِ کاملہ حاصل ہے اور اس طرح کا اِعتقاد رکھنا شِرک ہے۔

خودساختہ اِعتقادی فتنے کا ردّ

خودساختہ علمی مغالطے اِس مسئلہ کو مزید اُلجھا کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ خیال کرنا سراسر غلط ہے کیونکہ جس چیز کو یہاں سلطۂ غیبیہ کا نام دیا جارہا ہے دراصل وہ رُوحانی اِستعداد ہے

جو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب ومکرّم بندوں کو عطا کرتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت کی عطا کردہ اِس رُوحانی قوت وتصرّف کو سلطۂ غیبیہ (مطلق قوّتِ مقتدرہ) کا نام دے کر بہت بڑا اِعتقادی فتنہ پیدا کیا جا رہا ہے۔ سلطۂ غیبیہ کی حقیقت وہ ہرگز نہیں جو عام طور پر ردِّ اِستغاثہ کے ضمن میں بیان کی جاتی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اِس سطح کا سلطہ تو آج ہر عام اِنسان حتی کہ غیر مسلموں کو بھی بخوبی حاصل ہے۔ سلطۂ غیبیہ کے ضمن میں ہم دورِحاضر کی سائنسی ترقی سے اِنٹرنیٹ کی مِثال دینا مناسب خیال کریں گے۔ مادّی ترقی کی اِس سائنسی دُنیا میں جہاں گلوبل وِلیج کا اِنسانی تصوّر حقیقت کا رُوپ دھار رہا ہے، کمپیوٹر کی دُنیا میں فاصلے سمٹ کر رہ گئے ہیں۔ ایک کروڑ کے لگ بھگ کمپیوٹرز کے نیٹ ورک پر مُشتمل اِنٹرنیٹ نے پوری دُنیا کو رائی کے دانے میں سمیٹ لیا ہے۔ **آج سائنسی ترقی کا یہ عالم ہے کہ موجودہ دَور کا عام آدمی بھی بند کمرے میں بیٹھ کر اپنی ہتھیلی پر موجود رائی کے دانے کی طرح تمام دُنیا کا مشاہدہ کرنے پر قادِر ہے۔** یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اِنٹرنیٹ اور اُس سے منسلک بے شمار کمپیوٹرز کے بے حِس مشینی آلات سلطۂ غیبیہ کے حامل ہیں؟؟؟ مسئلہ فقط یہ ہے کہ خلطِ مبحث کے عادی اَذہان اِنسانی اِستعداد کے زائیدہ آلات کے اِستعمال سے حاصل ہونے والے نتائج کو تو سلطۂ غیبیہ اور شِرک قرار نہیں دیتے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ رُوحانی قوت کا اِنکار کرنے کیلئے بے بنیاد طریقے سے اُسے سلطۂ غیبیہ قرار دے کر شِرک ثابت کرنے میں کوشاں نظر آتے ہیں۔ سائنسی ترقی کی بدولت حاصل ہونے والے نتائج کی صورت میں ناممکن اشیاء کا ممکن ہوجانا اور اِنٹرنیٹ کی مدد سے دُنیا کے کسی بھی کونے میں رُونما ہونے والے واقعے سے اُسی لمحے میں پوری دُنیا کا آگاہ ہوسکنا، اگر توحید کے منافی نہیں تو رُوحانی اَسباب کے اِمکان کا اِظہار بھی شِرک کو ہرگز ہرگز دعوت

نہیں دیتا۔ کفار و مُشرکین کی اِیجادات کی بدولت حاصل ہونے والا سلطہ اگر مُوجبِ شرک نہیں تو اللہ ربّ العزّت کی عطا سے حاصل ہونے والے رُوحانی تصرّفات کی اَنبیائے کرام اور صلحائے عِظام کی طرف نسبت کرنا کیونکر شِرک کہلا سکتا ہے؟ آج کی مادّی ترقی کے تصرّفات اپنی جگہ بجا مگر تاجدارِ کائنات ﷺ کے غلاموں کے تصرّفات اُن کی رُوحانی ترقی اور کمالات کی بدولت اِس منزل سے بدرجہا آگے ہیں۔ اسی رُوحانی ترقی کی بدولت سرکارِ غوثِ اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:

نَظَرْتُ إِلٰی بِلَادِ اللهِ جَمْعًا
كَخَرْدَلَةٍ عَلٰی حُكْمِ التَّصَالِیْ

ترجمہ: میں اللہ کے تمام ملکوں کو ایک ساتھ اِس طرح دیکھتا ہوں جیسے میری ہتھیلی پر رائی کا ایک معمولی دانہ (میری نظر میں ہوتا ہے)۔

ایک وہم کا اِزالہ

یہاں کچھ لوگ اِس وہم میں بھی پائے جاتے ہیں کہ جب دُور سے کسی کو کام کہا جائے تو اِس کا مطلب یہ ہوا کہ پُکارے جانے والے کو دُور سے معلوم ہے کہ فلاں پکارنے والا ہے اور وہ پکارنے والے کو جانتا ہے۔ اِس بناء پر اس میں علمِ غیب بھی پایا گیا اور چونکہ علمِ غیب میں اِقتدار اعلیٰ بھی ہے تو اِن دو چیزوں کی وجہ سے یہ شِرک اور ناجائز ہے۔ اِس خلطِ مبحث کا جواب بالکل سادہ ہے کہ جہاں ہم آج کی سائنسی ترقی سے حاصل ہونے والے فوائد میں ایسا علم اِنسانیت کو عطا ہوتا دیکھ رہے ہیں وہاں کلامِ مجید فرقانِ حمید میں بھی یہ دونوں پہلو غیر اللہ کے لئے ثابت ہیں، مگر اِس کے باوجود وہ شِرک سے آلودہ ہونے کی

بجائے ربّ کا کلام ہے، یعنی اس میں دُور سے جاننا اور کام کرنے پر قدرت دونوں کا ذکر پایا جاتا ہے۔ سورۂ نمل میں سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں کے ساتھ ہونے والے مکالمے میں اِرشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ○	اے سردارو! تم میں سے کون ہے کہ اُس کا تخت میرے سامنے لے آئے قبل اِس کے کہ وہ فرمانبردار ہو کر میرے سامنے حاضر ہو○
(النمل، ۲۷:۳۸)	

ملکہ بلقیس کا تخت سیدنا سلیمان علیہ السلام کے دربار سے 900 میل کی مسافت پر پڑا تھا جسے درباریوں میں سے کسی نے دیکھا تک نہ تھا۔ اِس کے باوجود کسی نے آپؑ سے یہ نہیں پوچھا کہ اے سلیمان علیہ السلام ! تخت تو سینکڑوں میل کی مسافت پر پردۂ غیب میں پڑا ہے اور آپ ہیں کہ اُس کی حاضریٔ دربار کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ کیا آپ ہماری نسبت یہ اِعتقاد رکھتے ہیں کہ ہم یہاں بیٹھے دُور کی شے کے بارے میں علم رکھتے ہیں؟ اور ہمیں علمِ غیب حاصل ہے؟

کیا مخلوق کو دُور کا علم ہوسکتا ہے؟

اگر سلیمان علیہ السلام یہ عقیدہ رکھتے کہ 900 میل کی مسافت پر پڑے ہوئے تخت کے بارے میں اُن کے درباریوں میں سے کسی کو بھی یہ علم نہیں کہ وہ کہاں پڑا ہے، اور اُسے کس طرح اِتنی دُور پہنچ کر لایا جاسکتا ہے؟ تو آپ اُن سے کبھی یہ نہ پوچھتے کہ کون لائے

گا؟ بلکہ باری تعالیٰ سے عرض کرتے کہ اے اللہ! ملکہ بلقیس کا تخت میرے پاس پہنچا دے کیونکہ تو ہی قادرِ مطلق ہے۔

مختصر یہ کہ ہمیں قرآنِ مجید سے یہ سبق ملتا ہے کہ دُور کی شے کے علم کا پایا جانا شِرک کے ضمن میں نہیں آتا۔ پس اگر سلیمان علیہ السلام یہ خیال کرلیں اور اِس بنیاد پر درباریوں کو تخت حاضر کرنے کا حکم فرمادیں اور اس کے باوجود مُشرک نہ ہوں اور اگر دورِ حاضر کے مسلمان یہ اِعتقاد رکھ لیں کہ داتا گنج بخش علی ہجویریؒ، غوثِ اعظم شیخ سید عبدالقادر جیلانیؒ، حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ، اور دیگر اولیائے کاملین اور صلحائے عِظام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہمیں جانتے ہیں اور ہمارے بگڑے حالات سنوارنے پر منجانب اللہ قدرت رکھتے ہیں، تو یہ کیسے شِرک ہوگا؟ .....جن وُجوہ کی بناء پر سیدنا سلیمان علیہ السلام کے معاملہ میں شِرک ثابت نہ ہوسکا، اسی سبب سے یہاں بھی نہیں ہوگا، کیونکہ **اَولیائے کرام کو بھی کشف اُسی ذاتِ حق نے عطا فرمایا ہے جس نے سلیمانؑ کے درباریوں اور بالخصوص آصف برخیا کو عطا فرمایا تھا۔** قادرِ مطلق جب آج بھی وہی ہستی ہے جو سیدنا سلیمان علیہ السلام کے عہدِ مبارک میں تھی تو آج بھی اَحکام اُسی طرح مرتب ہوں گے۔ دِین میں نئے نئے تصوّرات واِعتقادات پیدا کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے؟

کشفِ فاروقی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے محبوب ومکرّم بندوں کو عطا ہونے والی رُوحانی قوت واِستعداد کی بدولت اُن کے لئے نامعلوم اشیاء ومقامات پر پڑے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ یہ اللہ ربّ العزّت کی خصوصی عطا پر مشتمل رُوحانی فیوضات ہی کا کمال تھا کہ تاجدارِ

کائنات ﷺ کی صحبتِ جلیلہ میں تربیت پانے والے صحابہ کرام مادّی ذرائع اِختیار کئے بغیر ہزاروں میل کی مسافت پر موجود سپہ سالارِ لشکرِ اِسلام کو براہِ راست ہدایات دینے پر قادِر تھے۔ سیدنا ساریہ بن جبلؓ کی زیرِ قیادت اِسلامی لشکر دُشمنانِ اِسلام کے خلاف صف آراء تھا۔ دُشمن نے ایسا پینترا بدلا کہ اِسلامی اَفواج بُری طرح سے اُس کے نرغے میں آ گئیں۔ عین اُس وقت خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر فاروقؓ مدینہ منوّرہ میں بر سرِ منبر خطبۂ جمعہ اِرشاد فرما رہے تھے۔ آپؓ کی رُوحانی توجہ کی بدولت میدانِ جنگ کا نقشہ آپ کی نظروں کے سامنے تھا۔ دورانِ خطبہ بآوازِ بلند پکارے:

يَا سَارِيَ الْجَبَلَ۔ اے ساریہ! پہاڑ کی اوٹ لے۔

(مشکوٰۃ المصابیح: ۵۴۶)

(دلائل النبوّۃ لأبی نعیم: ۵۰۷)

(کنز العمال، ۱۲: ۳۵۷۸۸)

یہ اِرشاد فرما کر آپ دوبارہ اُسی طرح خطبہ میں مشغول ہو گئے۔ ہزاروں میل کی دُوری پر واقع مسجدِ نبوی میں خطبۂ جمعہ بھی دے رہے ہیں اور اپنے سپہ سالار کو میدانِ جنگ میں براہِ راست ہدایات بھی جاری فرما رہے ہیں۔ نہ اُن کے پاس ریڈار سسٹم تھا، نہ موبائل فون..... کہ جس کے ذریعے میدانِ جنگ کے حالات سے فوری آگہی ممکن ہوتی۔ یہ فقط اللہ ربّ العزّت کی عطا کردہ رُوحانی قوّت و اِستعداد تھی جس کی بدولت اندر کی آنکھ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ حضرت ساریہ بن جبلؓ نے سیدنا فاروقِ اعظمؓ کا پیغام موصول کیا اور اُس پر عمل درآمد کرتے ہوئے پہاڑ کی اوٹ لے کر فتح پائی۔ دُشمن کا حملہ ناکام رہا اور عساکرِ

اِسلام کے جوابی حملے سے فتح نے اُن کے قدم چومے۔

کشف اور علمِ غیب میں فرق

یہاں ہم ایک مغالطے کا اِزالہ بھی کرتے چلیں کہ کشف اور علمِ غیب دو جدا چیزیں ہیں۔ علمِ غیب کے برعکس کشف میں فقط کسی نامعلوم چیز سے پردہ اُٹھانے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور یہ صرف مخلوق کے لئے ہی ممکن ہے۔ اللہ ربّ العزّت کی ذات گرامی کے لئے کشف نام کی کوئی چیز نہیں کیونکہ وہ عالم الغیب والشھادۃ ہے۔ چونکہ اُس کے لئے کسی شے سے بھی پردہ ہے ہی نہیں لہٰذا کشف کی صورت میں پردہ اُٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **کشف کی نسبت اَولیاء اللہ کی طرف ہونے سے اللہ کے نیک اور پارسا اَفراد کے لئے وُہی شے ثابت ہو رہی ہے جو اللہ کے لئے ثابت کرنا بذاتِ خود شِرک ہے، لہٰذا ایسی شے جو اللہ کے لئے ثابت ہونا ناممکن ہو اُس کی نسبت غیر اللہ کی طرف کر دینے میں اِحتمالِ شِرک کیسا؟؟؟** اولیاء کے لئے غیب کی اَشیاء سے پردہ ہوتا ہے اور اللہ اُن کے حجابات اُٹھا دیتا ہے۔ یہی تو عینِ توحید ہے۔ شِرک کا اِلزام تو صرف اِس صورت میں درست قرار پا سکتا ہے جب اللہ ربّ العزت کی صفات اور شانِ اُلوہیت غیر اللہ کے لئے ثابت کی جاتیں۔ زمین و آسمان اور سماوی کائنات کی تمام تر وُسعتوں میں ایسی کوئی چیز ہے ہی نہیں جو باری تعالیٰ سے پوشیدہ ہو۔ ہر وہ شے جو اُس کے بندوں کے لئے غیب ہے، وہ اُسے بھی بخوبی جانتا ہے اور جو عیاں ہے، وہ بھی اُس کے علم میں ہے۔ اِرشادِ ربّانی ہے:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي یقیناً اللہ پر زمین اور آسمان کی کوئی

الْأَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِo بھی چیز مخفی نہیں o
(آل عمران، ۳:۵)

اِس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں اللہ ربّ العزّت کے لئے کشف کا اِعتقاد رکھنا قطعی طور پر اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور علمِ غیب کو محدود و مقیّد کر کے رکھ دینے کے مُترادف ہے، جو یقیناً مدعائے توحید نہیں ہوسکتا، کیونکہ کشف میں ایک نہاں حقیقت کو عیاں کرنے کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی نہاں نہیں۔ انبیاء و اولیاء کے لئے پردہ کا اِعتقاد تھا پس اللہ نے انہیں کشف عطا کر دیا اور حجابات کے مرتفع ہونے سے وہ دُور و نزدیک کی اَشیاء کو جاننے لگ گئے۔ (علمِ غیب کے باب میں تفصیلی مطالعہ کے لئے راقم کی کتاب ''قرآن و سنت اور عقیدۂ علمِ غیب'' ملاحظہ فرمائیں)۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سوال مسئول کی قدرت پر دلیل ہے

قرآنِ مجید میں بیان کئے گئے واقعۂ مذکورہ میں سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے یہ خواہش ظاہر فرمائی تھی کہ ملکہ بلقیس کا تخت لاؤ اور ساتھ میں شرط لگائی تھی کہ قَبْلَ أَنْ يَأْتُوْنِیْ مُسْلِمِيْنَ (اِس سے قبل کہ وہ میرے مطیع ہوکر میرے حضور حاضر ہوں)۔ ملکہ سبا اور اُس کے ساتھ دِیگر بہت سے لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضری کے اِرادے سے چل پڑے ہیں اور مسلمان ہونے کے لئے آ رہے ہیں اور آپ تقاضا کر رہے ہیں کہ اُن کے پہنچنے سے پہلے تخت یہاں موجود ہونا چاہیئے۔

اگر حضرت سلیمان علیہ السلام غیر اللہ کے لئے دُور کی شے کو جاننے اور لا سکنے کی طاقت اور قدرت کا اِعتقاد نہ رکھتے تو وہ ہرگز ایسا سوال نہ کرتے ، بلکہ درباری بھی بول پڑتے کہ اَے حضرت سلیمان علیہ السلام ! مخلوق کے لئے ایسا کام سرانجام دینا کیسے ممکن ہے؟ آپ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کریں، صرف وُہی اِس مافوق الفطرت اَمر پر قدرت رکھتا ہے۔ مگر درباریوں میں سے کسی ایک کو بھی ایسے گستاخانہ کلام کی جرأت نہ ہوئی بلکہ جواب میں ایک جن اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا:

أَنَا آتِيكَ بِهِ قَبْلَ أَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ وَ إِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ أَمِيْنٌo

(النمل، ۳۹:۲۷)

میں اُسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اِس کے کہ آپ اپنے مقام سے اُٹھیں اور بے شک میں اُس (کے لانے) پر طاقتور (اور) امانتدار ہوںo

یہاں یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ جو چیز جنوں کے لئے جائز ہو، وہ اللہ کے پیارے اور اُس کی بارگاہ میں جھکنے والے برگزیدہ اِنسانوں کے لئے کیونکر شِرک ہوسکتی ہے؟ **شِرک تو اُن صفات و اَوصافِ الٰہیہ کی غیر اللہ کی طرف نسبت سے جنم لیتا ہے جو اللہ ربّ العزّت ہی کے ساتھ خاص ہوں اور اُس کے سوا کسی دُوسرے کو میسر نہ آ سکیں۔**

سیدنا سلیمان علیہ السلام نے اُس جن کی پیشکش قبول نہ فرمائی۔ پھر اِنسانوں میں سے ایک ایسا بندہ اُٹھا جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ وہ صاحبانِ علم و رُوحانیّین میں سے تھا۔ اُس نے کھڑے ہو کر حضرت سلیمان علیہ السلام کے حضور یوں عرض کی:

أَنَا أٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ أَنْ يَّرْتَدَّ إِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَأٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ۔

(النمل، ۲۷:۴۰)

میں اُسے آپ کے پاس لاسکتا ہوں قبل اِس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے (یعنی پلک جھپکنے سے بھی پہلے) پھر جب (سلیمانؑ نے) اُس (تخت) کو اپنے سامنے رکھا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرے ربّ کا فضل ہے۔

مذکورہ بالا آیات میں ایک طرف ایسی مخلوق ﴿جن﴾ کا ذکر ہے جس کو اپنی طاقت اور قدرت پر ناز ہے، جس کے بل بوتے پر وہ کوسوں میل دُور پڑے تخت کو مجلس برخاست ہونے سے پہلے لاکر حاضرِ خدمت کرنے کا عزم ظاہر کرتا ہے اور دُوسری طرف ایک اللہ والے ﴿اِنسان﴾ کی شان بیان کی جارہی ہے کہ وہ اس کام کو آنکھ جھپکنے سے پہلے اِنجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ایسے میں سیدنا سلیمان علیہ السلام پکار اُٹھتے ہیں:

لِيَبْلُوَنِيْ ءَأَشْكُرُ أَمْ أَكْفُرُ ط وَ مَنْ شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ج وَ مَنْ كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ○

(النمل، ۲۷:۴۰)

تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر اَدا کرتا ہوں یا ناشکری اور جس نے (اللہ کا) شکر اَدا کیا سو وہ اپنی ہی ذات کے فائدہ کیلئے شکرمندی کرتا ہے اور جس نے ناشکری کی تو

بے شک میرا ربّ بے نیاز کرم
فرمانے والا ہےo

سلطہ غیبیہ کے وہم پر مبنی اِس اِعتراض کو بعض دفعہ یوں بھی پیش کیا جاتا ہے کہ بندے سے غیر مقدور العبد شے کا طلب کرنا درست نہیں بلکہ اِستغاثہ کا عدم جواز ثابت کرنے کے لئے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اَنبیاء، صلحاء اور اَولیاء سے غیر مقدور العبد شے (ایسی چیز جو بندے کی قدرت میں نہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضۂ قدرت میں ہو) کا طلب کرنا شرک ہے۔ اِس کا جواب کسی حد تک تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے۔ دراصل یہ خیال اُسلوبِ اِستغاثہ کو سمجھ نہ سکنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، کیونکہ کوئی بھی مسلمان اِستغاثہ کرتے وقت کبھی یہ عقیدہ اپنے دل میں نہیں رکھتا کہ مُستعان و مُستغاثِ مجازی (یعنی انبیاء و اولیاء) ازخود ہماری مدد کریں گے، بلکہ ہمارے مقصودِ نظر یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہماری حاجت رَوائی کا سبب اور وسیلہ بنیں، جیسا کہ نابینا صحابیؓ کے واقعہ میں اور طلبِ بارش کے اِستغاثہ کے ذکر میں واضح ہو چکا ہے۔ مذکورہ صحابہؓ نے اللہ تعالیٰ کو مختارِ کل اور سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ ستودہ صفات کو وسیلہ مان کر اپنی حاجت براری کے لئے اِلتجاء کی تھی اور اُس کے نتیجے میں موحّدِ اکبر ﷺ جو توحید کے رُموز سے ہم سب سے بڑھ کر آگاہ ہیں، نے اُن صحابہ کو منع کرنے اور کلماتِ شرک کی اَدائیگی سے روکنے کی بجائے اُن کے حق میں دُعا کی جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے اُن کا مسئلہ حل فرما دیا۔ اگر غیر مقدور العبد معاملات کا غیر اللہ سے مدد طلب کرنا شرک ہوتا تو:

اولاً: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ سے ایسی گزارش ہی نہ کرتے۔

ثانیاً: حضور ﷺ اِنہیں شِرک سے آ گاہ کرتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اِس قسم کی اِلتجاؤں سے منع فرما دیتے۔

ثالثاً: اللہ تعالی اپنے محبوب ﷺ کو اُن کی مدد سے منع فرماتا اور شِرک میں آلودہ ہونے سے بچاتا۔

صحابہ کا اِستغاثہ، جواب میں حضور ﷺ کا عمل اور اللہ تعالی کا اِس عمل پر منع نہ فرمانا..... یہ تینوں چیزیں مل کر یہ ثابت کرتی ہیں کہ اِستغاثہ نہ صرف جائز بلکہ سنتِ صحابہ ہے اور عنداللہ مقبول ہے۔ طلبِ معجزات بھی اِسی ضمن میں آ جاتا ہے۔ جب کفار و مشرکین نے تاجدارِ کائنات ﷺ سے خرقِ عادت اَفعال بطور معجزہ طلب کئے تو آپ ﷺ نے اُن اَفعال کو شِرک قرار دینے کی بجائے اپنے دستِ اَقدس سے مطلوبہ معجزات (شقِ قمر وغیرہ) صادِر فرما دیئے۔ اگر یہ غیر مقدور العبد اَفعال شِرک ہوتے تو نبیٔ آخر الزماں ﷺ سے اِن کا صدور کیونکر ممکن تھا؟ جب حضور ﷺ کا فعل شِرک نہیں (اور ایسا تصوّر بھی دائرۂ اِسلام سے خارج کر دیتا ہے) تو اُمت کا.....سنتِ صحابہ پر عملدرآمد کرتے ہوئے .....اَیسے اَفعال کو طلب کرنا کیونکر شِرک ہوسکتا ہے؟

مسلمان ہمیشہ اَنبیاء و اَولیاء سے اِستغاثہ کے دَوران یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے حضور سفارش اور دُعا کر کے ہماری حاجت پوری کر دیں، یہی ہمارا عقیدہ ہے اور یہی جمیع اُمتِ مسلمہ کا۔ اگر کوئی بالفرض یوں اِستغاثہ کرتا ہے کہ اَے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے شفا دیجئے اور میرا قرض اَدا فرما دیجئے تو اِس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ شفائے مرض اور اَدائیگیٔ قرض کے سلسلہ میں اللہ تعالی کی بارگاہ میں سفارش کر دیں۔ اور دُعا اور سفارش پر اللہ تعالیٰ

نے اپنے محبوب بندوں کو قُدرت دے رکھی ہے۔ اِس قسم کے اَقوال کے بارے میں یہ نسبتِ فعل بطور مجازِ عقلی کے ہے اور اِس میں کوئی ممانعت نہیں۔ جیسا کہ اللہ ربّ العزّت نے خود قرآنِ مجید میں اِرشاد فرمایا:

سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْبِتُ الْاَرْضُ۔

پاک ہے وہ ذات جس نے ہر اُس شے کو جوڑا جوڑا تخلیق کیا جو زمین اگاتی ہے۔

(یٰسین، ۳۶:۳۶)

قرآنِ مجید میں خود باری تعالیٰ نے سبزے کی رُوئیدگی کی نسبت زمین کی طرف کی ہے، حالانکہ سبزہ اگانا زمین کی قُدرت میں نہیں، وہ اِس عمل میں محض وسیلہ اور ذریعہ بنتی ہے۔ اِس آیتِ مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وسیلہ اور ذریعہ بننے والی چیز کو فاعل کے طور پر ذِکر کر دینے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ اِس مقام پر مجازِ عقلی کا قرینہ صحیح مفہوم کے اَخذ کرنے کے لئے موجود ہوتا ہے۔ قرآن و حدیث اِس مفہوم میں جا بجا بھرے پڑے ہیں اور اِس میں کوئی ناجائز بات نہیں۔ **مسلمانوں کے اِس مفہوم میں اَدا کئے گئے جملے بالکل اُسی طرح شِرک سے خالی ہیں جیسے اللہ ربّ العزت کا کلامِ مجید اور آنحضور ﷺ کی اَحادیثِ مبارکہ۔**

چوتھا اِعتراض
اللہ کے سِوا کوئی مددگار نہیں

قرآنِ مجید کی وہ آیاتِ مبارکہ جن میں غیر اللہ سے وِلایت و نصرت کی نفی مذکور

ہے، اُنہیں بنیاد بنا کر اِستغاثہ بالغیر کی نفی کی جاتی ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ وِلایت و نصرت کا حقدار صرف اور صرف اللہ ربّ العزّت ہے اور اللہ کا حق کسی اور کے لئے ثابت کرنا شِرک ہے۔ جس طرح کہ قرآن مجید میں اِرشادِ ربّ العالمین ہے:

١ ۔ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَ لَا نَصِيْرٍo (البقرہ، ۲:۱۰۷)	اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی دوست ہے اور نہ ہی مددگار o
٢ ۔وَ لَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللهِ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًاo (الاحزاب، ۳۳:۱۷)	وہ اللہ کے سوا کسی کو اپنا دوست اور مدد گار نہ پائیں گے o
۳ ۔ وَ هُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيْدُo (الشوریٰ ۴۲:۲۸)	اور وہ بڑا کارساز، بڑی تعریفوں کے لائق ہے o
٤ ۔ مَا لَكَ مِنَ اللهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍo (البقرہ، ۲:۱۲۰)	آپ کے لئے اللہ سے بچانے والا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی مددگار o
٥ ۔ وَ كَفٰى بِاللهِ وَلِيًّا وَّ كَفٰى بِاللهِ نَصِيْرًاo (النساء، ۴:۴۵)	اور اللہ (بطور) کارساز کافی ہے اور اللہ (بطور) مددگار کافی ہے o

٦۔ وَ مَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ط	اور (حقیقت میں تو) اللہ کی بارگاہ سے مدد کے سوا کوئی (اور) مدد نہیں۔
(الانفال، ۸:۱۰)	
۷۔ وَ اجْعَلْ لِّی مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰناً نَّصِيْراًo	اور مجھے اپنی جانب سے مددگار غلبہ و قوت عطا فرما دےo
(بنی اسرائیل، ۱۷:۸۰)	
۸۔ وَ كَفٰی بِرَبِّكَ هَادِياً وَّ نَصِيْراًo	اور آپ کا ربّ ہدایت کرنے اور مدد فرمانے کے لئے کافی ہےo
(الفرقان، ۲۵:۳۱)	

مندرجہ بالا تمام آیات کے معنیٰ مرادی کو حقیقی معنیٰ پر قیاس کرتے ہوئے یہ اِستدلال کیا جاتا ہے کہ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کے لئے **ولی**، **نصیر**، **سلطان** اور **ھادی** کے اَلفاظ اِستعمال کئے گئے ہیں لہٰذا اِن صفاتِ باری میں کسی اور کو شامل کرنا شرک ہے۔

بُطلانِ اِستدلال

قرآنِ حکیم میں چند اَلفاظ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کئے جانے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اُن الفاظ کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا شرک قرار پا جائے گا۔ اِس ضمن میں درجنوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں اللہ ربّ العزت کے لئے

ولی اور نصیر کے الفاظ آئے ہیں وہاں اس نے اپنے بندوں کے لئے بھی مجازی طور پر یہی الفاظ اِستعمال کئے ہیں۔ ہم یہاں بے جا طوالت سے بچتے ہوئے صرف ولی اور نصیر ہی کے الفاظ پر مشتمل آیات پیش کرتے ہیں، جبکہ اِن کے علاوہ دیگر بہت سی صفاتِ الٰہیہ (مثلاً سمیع و بصیر اور شھید وغیرہ) بھی قرآنِ مجید میں اللہ اور بندے دونوں کے لئے برابر اِستعمال ہوئی ہیں۔ اِرشادِ باری ہے:

۱۔ وَ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْراً ○
(النساء،۴:۷۵)

اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا کارساز مقرر فرما دے اور کسی کو اپنی بارگاہ سے ہمارا مددگار بنا دے○

۲۔ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ وَ الَّذِيْنَ آمَنُوْا۔
(المائدہ،۵:۵۵)

بے شک تمہارا (مددگار) دوست تو اللہ اور اس کا رسول ہی ہے اور (ساتھ) ایمان والے ہیں۔

۳۔ وَ إِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَ جِبْرِيْلُ وَ صَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمَلَآئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ○
(التحریم،۶۶:۴)

اگر تم دونوں رسول کے مقابلے میں ایک دوسرے کی مدد کرتی رہیں (باہم وہ طریقہ اختیار کیا جو حضور کو ناگوار ہو) تو (یاد رکھو کہ) اللہ ان کا رفیق (مددگارٌ) ہے اور جبرئیل اور نیک بخت ایمان والے اور اس کے بعد فرشتے بھی ان کے معاون ہیں○

٤ ۔ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍo (التوبہ،۹:۷۱)	اوراہلِ ایمان مرد اور اہلِ ایمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق و مدد گار ہیںo

ان آیاتِ بینات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ ولی، نصیر اور اِسی قبیل کے دُوسرے الفاظ جو قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے طور پر مذکور ہیں، **اللہ کے بندوں کے لئے اِن الفاظ وصفات کا اِستعمال نہ صرف یہ کہ مجاز اُجائز ہے بلکہ اللہ ربّ العزّت کی سنت ہے،** اور اللہ تعالیٰ کی سنتِ جلیلہ کو شرک کا نام دے دینا تعلیماتِ اِسلامیہ سے رُوگردانی کے مُترادف ہے۔ اَحکامِ اِسلام ہرگز اِس چیز کا درس نہیں دیتے۔

پانچواں اِعتراض

سوال اور اِستغاثہ صرف اللہ سے جائز ہے

نفیٔ اِستغاثہ میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ سے مروی حدیثِ مبارکہ سے ایک غلط اِستدلال بھی پیش کیا جاتا ہے، جس میں فقط اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے اور اُسی سے مدد طلب کرنے کا حکم ہے۔ حدیثِ مبارکہ کے اَلفاظ یوں ہیں:

إذا سألتَ فاسْأل الله و إذا اسْتعنتَ فاستعِن بالله و اعلم أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتمعتْ علٰى أَنْ يَّنْفعكَ	جب تو سوال کرے تو اللہ ہی سے سوال کر اور جب مدد طلب کرے تو اللہ ہی سے کر اور آگاہ رہ کہ اگر ساری

بِشئ لم ينفعك إلا بشئ قد كتبه الله لك، و لوِ اجتمعوا على أن يضرّوك بشئ لم يضروك إلّا بشئ قد كتبه الله عليك رُفعتِ الأقلامُ و جُفّتِ الصُّحُفُ۔
(جامع الترمذی، اَبواب الزہد،۲:۷۴)

اُمت مل کر تجھے نفع دینا چاہے تو بھی تقدیرِ اِلٰہی کے خلاف ایسا نہیں کر سکتی (اِسی طرح) ساری اُمت مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہے تو بھی تقدیرِ اِلٰہی کے خلاف کامیاب نہیں ہوسکتی (کیونکہ کاتبِ تقدیر کے) قلم اُٹھا لئے گئے ہیں اور تحریریں خشک ہوچکی ہیں۔

ذیل میں ہم اِس بات کی وضاحت کریں گے کہ اِس حدیثِ مبارکہ سے یہ اِستنباط کرنا کہ سوال اور اِستغاثہ فقط اللہ ربّ العزّت ہی سے جائز ہے اور غیر اللہ سے کیا جانے والا سوال و اِستغاثہ شِرک میں مبتلا کر دینے کا باعِث ہے، سراسر غلط ہے۔

سوال حکمِ باری تعالیٰ ہے

اِس اِستدلالِ باطل سے اَسباب کو اِختیار کرنے کی مکمل نفی ہوگئی اور سوال، اِستعانت و اِستغاثہ اور اِستمداد میں وارِد کتاب وسنت کی بہت سی نصوص یک قلم معطل ہوکر رہ گئیں۔ ایسا اِستدلال قرآن و حدیث سے عدم واقفیت، منشائے نزولِ قرآن سے عدم آگہی اور تعلیماتِ اِسلام کے سطحی مطالعہ کی وجہ سے ہی ممکن ہے، جس سے جمیع اُمتِ مسلمہ پر کفر و شِرک کا بہتان لگانا مقصود ہے۔ حقیقتِ حال یہ ہے کہ اِس حدیثِ مبارکہ سے مقصود سوال و اِستغاثہ اور اِستعانت و اِستمدادِ ما سوی اللہ سے روکنا نہیں ہے، جیسا کہ بادیٔ النظر

میں معلوم ہو رہا ہے، بلکہ اِس حدیث کا منشاء بندے کی توجہ اَسباب سے ہٹا کر مسبّب کی طرف مبذول کرنا ہے تاکہ بندہ اَسبابِ اِستغاثہ (مستغاثِ مجازی) کے تصوّر میں اُلجھ کر مستعان و مستغاثِ حقیقی کو بھلا نہ بیٹھے۔ سو اِس حدیثِ مبارکہ کا مفہوم دیگر تعلیماتِ اِسلام کی روشنی میں یوں ہوگا کہ ''**اے بندے! جب تو مخلوقاتِ خداوندی میں سے کسی سے سوال اور اِستعانت و اِستغاثہ کرے تو اللہ ربّ العزت کی ذات اور قُدرتِ کاملہ پر کامل بھروسہ اور اِعتماد رکھ اور اُسی کو مستغاثِ حقیقی جان کر سوال کر، کہیں یہ مجازی اَسباب تجھے مسبّب الاسباب سے غافل نہ کر دیں اور تیرے لئے حجاب نہ بن جائیں**''۔ نبی کریم ﷺ نے اِس حدیثِ مبارکہ میں اِسلامی تصورِ اِستعانت و اِستغاثہ کی تحدید نہیں فرمائی بلکہ فرمایا کہ تقدیرِ اِلٰہی کے خلاف کوئی اِستغاثہ ممکن نہیں۔ اِس میں اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ بن کر کسی کی حاجت روائی کرنے کا اِنکار کہاں ہے؟ اللہ کی مشیت کے خلاف کرنے اور اُس کی موافقت کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے، آخر اِنہیں ایک دوسرے پر کس طرح قیاس کیا جا سکتا ہے؟ حدیثِ مبارکہ کے آخری اَلفاظ رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَ جُفَّتِ الصُّحُفُ ''قلم اُٹھا لئے گئے اور تحریریں خشک ہوگئیں'' اِس بات کو واضح کر رہے ہیں کہ اِستغاثہ بالغیر کی ممانعت فقط تقدیرِ اِلٰہی کے خلاف ہے۔ اِس حدیثِ مبارکہ کا وُرود تقدیرِ اِلٰہی کی حجت کے اِتمام کے لئے ہوا ہے نہ کہ سوال و اِستغاثہ سے منع کرنے کے لئے، کیونکہ ماسوی اللہ سے سوال کا حکم تو خود اللہ ربّ العزّت نے جا بجا فرمایا ہے۔ مثال کے طور پر ملاحظہ ہو:

فَاسْئَلُوْا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ○

سو تم اہلِ ذِکر سے سوال کر لیا کرو اگر تمہیں خود (کچھ) معلوم نہ ہو○

(النحل، ۱۶:۴۳)

مذکورہ آیتِ کریمہ میں مومنین کو اہلِ ذِکر سے سوال کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اِس آیت کریمہ کے علاوہ اِسی مفہوم میں وارِد ہونے والی بے شمار اَحادیثِ نبویہ سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ''وَ اِ ❷ا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہ '' کا مطلب ومفہوم سوال مِن الغیر سے مطلق ممانعت نہیں بلکہ اِس سے مُراد یہ ہے کہ بلاضرورت اُمراء سے طمع کر کے اُن سے طلبِ دولت اور صاحبانِ اِقتدار سے طلبِ جاہ ومنصب نہ کی جائے اور اللہ تعالی سے ہی اُس کے فضل وکرم کا سوال کیا جائے۔ اِس حدیثِ مبارکہ سے سوال مِن الغیر کی ممانعت اَخذ کرنا قطعاً درست نہیں۔ ''وَ ا ✦ذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ '' میں سوال مِن الغیر یا اِستغاثہ وتوسل کے عدمِ جواز پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جبکہ دیگر بے شمار اَحادیثِ مبارکہ میں مذکور ہے کہ سرورِ کائناتﷺ نے بارہا صحابہ کو خود سوال پر اُبھارا اور پھر اُن کے سوال کا جواب اِرشاد فرمایا۔ (جس کی تفصیل مع اَمثلہ گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے) اگر سوال مِن الغیر کو شِرک قرار دے دیا جائے تو طالبِ علم کا اُستاد سے سوال کرنا، بیمار کا ڈاکٹر سے علاج طلب کرنا، حاجت مند کا صاحبِ اِستطاعت سے سوال کرنا اور کسی قرض خواہ کا قرض دی گئی رقم واپس طلب کرنا سب شِرک اور ممانعت کے زُمرے میں آ جائیں گے۔

اور بھی کچھ مانگ

سرورِ کائناتﷺ کے ایک خوش بخت صحابی سیدنا رَبیعہ بن کعبؓ ایک رات آپؐ کی خدمتِ اَقدس میں موجود تھے۔ انہوں نے حضورﷺ کے وضو کیلئے پانی بھرا اور آپﷺ کو وضو کروایا۔ اِس خدمت کے صلے میں مالکِ کون ومکاںﷺ نے خوش ہو کر

حضرت ربیعہؓ سے فرمایا: ''سَلْ''.....یعنی مانگ، جو مانگنا چاہتا ہے۔ اِتنی بڑی پیشکش دیکھ کر صحابیِ رسول نے صاحبِ لولاک ﷺ سے اُن کی دائمی قربت کی نعمت مانگ لی، جسے حضور ﷺ نے قبول فرمالیا۔ حضرت ربیعہؓ خود بیان فرماتے ہیں:

كنت أبيت مع رسول اللهﷺ، فأتيه بوضوئه و حاجته، فقال لي: ''سل'' فقلت: ''أسألك مرافقتك في الجنة'' قال: ''أو غيرك'' قلت: ''هو ذاك'' قال: ''فأعنّي على نفسك بكثرة السجود''۔

(الصحیح لمسلم، کتاب الصلوٰۃ، ۱:۱۹۳)

(سنن ابوداؤد، کتاب الصلوٰۃ، ۱:۱۹۴)

میں نے رسولِ اکرم ﷺ کے ساتھ ایک شب گزاری (اور آخرِ شب) آپ ﷺ کے وُضو اور رفع حاجت کیلئے پانی لایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''مانگ (جو چاہتا ہے)'' میں نے عرض کی: ''میں جنت میں آپ کی (دائمی) قُربت چاہتا ہوں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اِس کے علاوہ''؟ میں نے عرض کی: ''یہی کافی ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر کثرتِ سجود کے ساتھ میری مدد کرو''۔

اِس حدیثِ مبارکہ میں حضور ﷺ نے خود اپنے صحابیؓ کو سوال کرنے کا حکم فرمایا۔ اگر غیر اللہ سے سوال ممنوع ہوتا تو مؤحّدِ اکبر ﷺ ہرگز ایسا نہ فرماتے۔ حدیث کے آخری اَلفاظ میں آپ ﷺ نے خود اپنے صحابی سے کثرتِ سجود کے ذریعے مدد مانگی جس سے ثابت ہوا کہ غیر اللہ سے سوال اور طلبِ عون سنتِ مصطفیٰ ہونے کی بناء پر رَوا ہے اور اس کے خلاف

فتویٰ زنی ہرگز کسی مؤحّد کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔ اِس طرح کے مذہبی تصوّرات اِسلام کی عالمگیر تعلیمات سے عدم واقفیت کی بناء پر پیدا ہوتے ہیں۔

اِستغاثہ خود حکمِ باری تعالیٰ ہے

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجت رَوائی اور مدد طلبی کے لئے اللہ کی محبوب مخلوق اور اُس کے محبوب اَعمال و اَفعال کا اِستغاثہ کرنا حکمِ خداوندی میں شامل ہے۔ اَب ہم اِس کی چند مثالیں قرآن وحدیث سے پیش کرتے ہیں۔

1- کلامِ مجید میں ہے:

وَ اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ (البقرہ، ۲: ۴۵) اور صبر اور نماز کے ذریعے (اللہ سے) مدد چاہو۔

یہاں صبر اور صلوٰۃ جیسے اَعمالِ صالحہ سے اِستعانت کا حکم باقاعدہ اَمرِ خداوندی ہے جس میں مؤمنین کو یہ حکم دیا جارہا ہے کہ صبر اور صلوٰۃ جیسے اَعمالِ صالحہ کو وسیلہ اور مستعانِ مجازی بنا کر اللہ ربّ العزّت جو مُستعان و مُستغاثِ حقیقی ہے، کی بارگاہ سے مدد طلب کرو۔

2- اِسی طرح ایک اور آیتِ کریمہ ملاحظہ ہو جس میں جہاد کے لئے سامانِ حرب کا اِستغاثہ کرنے اور جہاد کی تیاری کا حکم ہے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

وَ أَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ اور (اے مسلمانو!) اُن کے (مقابلے)

وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ۔ (الانفال، ۸:۶۰)

کے لئے تم سے جس قدر ہو سکے (ہتھیاروں اور آلات جنگ کی) قوت مہیا رکھو اور بندھے ہوئے گھوڑوں کی (کھیپ بھی)۔

3- علاوہ ازیں قرانِ مجید میں اللہ ربّ العزّت کے محبوب ومکرم بندے حضرت ذوالقرنینؑ کے بارے میں بھی قرآن گواہ ہے کہ اُنہوں نے دُشمن کے مقابلے میں اپنی قوم سے مدد طلب کی۔ اِرشادِ قرآنی ہے:

فَأَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ۔ (الکہف، ۱۸:۹۵)

تم اپنے زورِ بازو (یعنی محنت ومشقت) سے میری مدد کرو۔

4- صلوۃ الخوف..... جو قرآن وسنت کی نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے..... بھی اِستغاثہ مجازی کی بہترین مثال ہے، کیونکہ اُس کی مشروعیت میں بعض مخلوق کی غیر اللہ سے اِستعانت کی مشروعیت ہے۔

5- حدیثِ مبارکہ میں سرورِ کائناتﷺ نے بارہا مؤمنین کو ایک دوسرے کی مدد و اِستعانت کا حکم اور ترغیب دی ہے۔ اِرشاد فرمایا:

مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ۔
(صحیح البخاری، کتاب المظالم، ۱:۳۳۰)
(الصحیح لمسلم، کتاب البر والصلہ، ۲:۳۲۰)

جو اپنے بھائی کی تکمیلِ حاجت میں مصروف ہو، اللہ اُس کی حاجت رَوائی خود فرماتا ہے۔

6- ایک اور حدیثِ مبارکہ میں یہی مضمون کچھ اِس طرح سے آیا ہے:

وَ اللّٰہُ فِی عَونِ العَبدِ مَا کانَ العبدُ فِی عَونِ أَخیہِ۔
(الصحیح لمسلم، کتاب الذکر، ۲: ۳۴۵)
(جامع الترمذی، اَبواب القرأت، ۲: ۱۱۸)

اللہ بندے کی مدد میں مصروف ہوتا ہے جب تک بندہ اپنے کسی بھائی کی مدد میں مصروف ہو۔

7- اِمام حاکمؒ نے اپنی مُستدرک میں ایک حدیثِ مبارکہ ذِکر کی ہے جس میں حضور سرورِ کائنات ﷺ نے صحابۂ کرام کو ایک دُوسرے کی مدد اور قضائے حاجات کے لئے حکم دیتے ہوئے اِس مبارک عمل کی اہمیّت یوں واضح فرمائی:

لأنْ یمشی أحدُکم مع أخیہِ فی قضاءِ حاجۃٍ أفضل مِن أَن یعتکفَ فی مسجدِی ھٰذا شَھرین ۔
(المستدرک، ۴: ۲۷۰)
(الترغیب والترھیب، ۳: ۳۹۱)

تم میں سے کسی کا اپنے بھائی کے ساتھ اُس کی مدد کے لئے جانا میری اِس مسجد میں دو ماہ اعتکاف کرنے سے بہتر ہے۔

8- اللہ تعالی نے لوگوں کے مصائب ومشکلات کے اِزالے اور حاجات کے پورا کرنے کے لئے بطورِ خاص ایک ایسی مخلوق پیدا کر رکھی ہے جو دُکھی اِنسانیت کی خدمت اور اُن کی مدد ونصرت کے لئے ہمہ دم تیار رہتی ہے۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے:

إنّ للّٰہِ خلقاً خلقھم لِحوائجِ الناسِ تفزع الناسُ إلیھم فی حوائجِھم

اللہ تعالی نے لوگوں کی حاجات و ضروریات کی تکمیل کے لئے ایک

أولئكَ الأمِنونَ من عذابِ اللهِ ۔
(مجمع الزوائد، ۸:۱۹۲)
(الترغیب والترھیب، ۳:۳۹۰)

مخلوق پیدا کر رکھی ہے تاکہ لوگ اپنی ضروریات (کی تکمیل) کے لئے اُن سے رجوع کریں۔ یہ لوگ عذابِ اِلٰہی سے محفوظ و مامون ہیں۔

اِس حدیثِ مبارکہ میں سرورِ دو عالم ﷺ کے یہ اَلفاظ کہ ''**لوگ اُن سے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے رُجوع کریں**''..... خاص طور پر قابلِ غور ہیں۔ لوگوں کا اِستعانت و اِستغاثہ کی نیت سے اُس مخلوقِ خدا کی طرف جانا حضور ﷺ نے مستحسن بیان فرمایا ہے، چہ جائیکہ دین کے کامل فہم سے ناآشنائی کے باعث اِسے حرام بلکہ شرک قرار دیا جائے۔

9- اِسی مفہوم میں وارِد ایک اور حدیثِ مبارکہ کے اَلفاظ کچھ یوں ہیں:

إنّ للهِ عندَ أقوام نعمًا يقرّها عندهم ما كانوا في حوائجِ الناس ما لم يملّوا، فإذا ملّوا نقلها إلى غيرهم۔
(المعجم الاوسط، ۹:۱۶۱)
(الترغیب والترھیب، ۳:۳۹۰)

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے پاس اپنی نعمتیں رکھی ہیں، وہ بندے اِنسانوں کی ضروریات پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں، جب تک کہ وہ اکتا نہ جائیں۔ جب وہ اکتا جاتے ہیں تو (یہی ڈیوٹی) دُوسروں کے سپرد کردی جاتی ہے۔

مذکورہ بالا آیات و احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ مخلوق سے مدد مانگنا اور اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد طلبی اور اِستغاثہ پر اُن کی مدد کو پہنچنا منشائے ربانی اور منشائے رسولِ

کریم ﷺ ہے۔ جس عمل کا حکم خود اللہ ربّ العزّت اور اُس کے محبوب نبی ﷺ نے دِیا ہو اور جمیع اُمتِ مسلمہ نے ہر دَور میں اُس حکم کی تعمیل میں لبیک کہا ہو وہ ہرگز شرک و بِدعت نہیں ہوسکتا۔ **قابلِ توجہ پہلو یہ ہے کہ مذکورہ آیات واحادیث اِستغاثہ کے لئے صرف جواز اور حلت کا نہیں بلکہ اَمرِ ربانی کا درجہ رکھتی ہیں۔**

چھٹا اِعتراض
سرورِ کائنات ﷺ سے اِستغاثہ کی نفی

سرورِ کائنات ﷺ کی ظاہری حیاتِ مبارکہ میں ایک منافق مسلمانوں کی اِیذا رسانی کرتا اور اُن کے لئے طرح طرح کی تکالیف کھڑی کرنے میں کوشاں رہتا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ نے صحابہ سے فرمایا کہ آؤ ہم مل کر حضور ﷺ کی بارگاہ میں اِس منافق کے خلاف اِستغاثہ کریں۔ جب یہ بات سرورِ عالم ﷺ تک پہنچی تو آپ نے فرمایا:

إنّه لا يُستغاثُ بی و إنّما يُستغاثُ باللهِ۔

مجھ سے اِستغاثہ نہیں کیا جاتا اور صرف اللہ سے ہی اِستغاثہ کیا جاتا ہے۔

(مجمع الزوائد، ۱۰: ۱۵۹)

اِس حدیثِ مبارکہ کا مفہوم سمجھنے اور اِس کی شانِ وُرود تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماسواء اللہ سے اِستغاثہ کو قطعی طور پر ممنوع قرار دے دیا ہے، پس اَب اگر کوئی غیر اللہ سے مدد مانگے گا تو مُشرک قرار پائے گا۔

حدیثِ مبارکہ کا صحیح مفہوم

اِس ایک حدیثِ مبارکہ کو اِس کے حقیقی مفہوم میں رکھ کر بے شمار آیات واَحادیث اور عملِ صحابہ کے خلاف کیا گیا ہے۔ وہ آیات واَحادیث جن میں صریح اَلفاظ میں اِستغاثہ مِن دُون اللہ کا حکم پایا جاتا ہے (جن میں سے چند ایک کا تفصیلی ذکر ہم اُوپر کر آئے ہیں) اِس حدیث کے حقیقی مفہوم پر عمل کرنے کی صورت میں اِن تمام آیات واَحادیث کو سِرے سے بالائے طاق رکھنا پڑ رہا ہے۔ شریعتِ اِسلامیہ کا مسلّمہ اُصول ہے کہ جب کوئی حدیث قرآن مجید یا دیگر اَحادیثِ متواترہ کے خلاف اَحکام ظاہر کرے تو اُن کے مابین تطبیق پیدا کرنے کی کوشش جاتی ہے اور اگر حقیقی معنی کے ساتھ تطبیق ممکن نہ ہو تو تاویلاً اُس مختلف فیہ حدیث کو مجازی معنی پر محمول کر کے صریح آیات واَحادیثِ مبارکہ کے ساتھ اُس کا تعارُض ختم کیا جاتا ہے۔ یہی صورت کچھ یہاں بھی ہوگی۔

یہاں اِس حدیث سے مُراد اصل اِعتقاد میں توحید کی حقیقت کو ثابت کرنا ہے اور وہ یہ کہ مُغیث ومُستعانِ حقیقی فقط اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے اور بندۂ بشر اِستغاثہ کے معاملہ میں صرف ایک وسیلہ اور واسطہ ہے۔

یہ حدیثِ مبارکہ صرف زِندہ کے ساتھ اِستعانت و اِستغاثہ کے خاص ہونے پر بھی دلالت نہیں کرتی جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے، بلکہ اِس حدیث کا ظاہر تو زِندہ ومُردہ کی تفریق سے ماوراء غیراللہ سے ہمیشہ اِستغاثہ کو منع کرتا ہے، جس کی تاوِیل اور ضرورتِ تاوِیل ہم اُوپر ذکر کر آئے ہیں۔ اِمام اِبنِ تیمیہ نے بھی اپنے فتاویٰ میں یہی بات ذکر کی ہے اور واضح کیا ہے کہ بعض اَوقات اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے کلام سے کچھ لوگ غیر مُرادی معانی اَخذ کرنے لگ جاتے ہیں جبکہ دُوسرے مقامات اُن کے اِس اخذِ مسئلہ کا

رَدّ کر رہے ہوتے ہیں۔ منافق کی اِیذاء رَسانی اور سیدنا ابوبکر صدیقؓ کا اُس کے خلاف حضور نبیٔ کریم ﷺ کی بارگاہ میں اِستغاثہ بھی اِسی قبیل سے ہے۔ اگر اِس حدیثِ مبارکہ کی یہ تاوِیل وتشریح نہ کر دی جائے تو اِس حدیث کا دیگر آیات واَحادیث اور عملِ صحابہ سے براہِ راست تعارض لازم آئے گا۔ کتبِ حدیث میں جا بجا درج ہے کہ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے دُعا کراتے، آپ کے وسیلہ جلیلہ سے اِستسقاء کرتے اور وہ اِستغاثہ بالنبیؐ میں تمام اُمت سے بڑھ کر تھے۔ صحیح بخاری میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا قول مذکور ہے کہ بسا اَوقات میں حضور ﷺ کے رُخِ انور کی زیارت کے دَوران حضرت ابوطالب کا یہ شعر یاد کرتا جس میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ بارِش طلب کر رہے ہوتے تو آپ ﷺ کے منبر سے نیچے اُترنے سے پہلے بارِش کا پانی پرنالوں سے بہہ نکلتا، وہ شعر یہ ہے:

وَ أبيض يُستسقى الغمامُ بوجهه
ثمال اليتامٰى عِصمة للأرامِلِ

(صحیح البخاری، کتاب الاستسقاء، ۱: ۱۳۷)

ترجمہ: اور وہ حسین جس کے رُخِ تاباں کے طفیل بارِش طلب کی جاتی ہے، جو یتیموں کا والی اور بیواؤں کا سہارا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا اِس محبت بھرے شعر کو گنگنانا ظاہر کرتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کس قدر وارفتگی کے ساتھ حضور ﷺ کے ساتھ تعلقِ عشق ومحبت رکھتے تھے اور جب کبھی اُن پر کوئی مُشکل ومصیبت آن پڑتی تو آپ ﷺ کی طرف اِستغاثہ واِستعانت اور اِستمداد کے لئے کھنچے کھنچے چلے آتے تھے۔ جب عملِ صحابہ سے اِس حدیثِ مختلف فیہ کی وضاحت میسر آ رہی

ہے اور وہ قرآن وسنت کی تعلیمات کے عین موافق بھی ہے تو پھر اِن نادان دوستوں کی تشریحات اور فتویٰ ہائے کفر و شرک کو کس طرح غایتِ توحید سمجھا جا سکتا ہے! توحید کا قرآنی تصور ہرگز اِس بات کی اِجازت نہیں دیتا کہ فقط ایک مختلف فیہ حدیث پر عمل کرتے ہوئے اور باقی تمام تعلیماتِ اِسلام سے اِغماض برتتے ہوئے جمیع اُمت مسلمہ پر کفر و شرک کا بہتان باندھا جائے۔

باب پنجم

اِیمان اور کفر کے مابین حدِ فاصل

اِیمان اور کفر کے درمیان نسبتِ مجازی کا لحاظ

سرورِ کائنات ﷺ اور اولیاء و صلحاء کی تعظیم و تکریم اور اُن سے اِستغاثہ کے دوران عامۃ المسلمین کبھی کبھار بعض ایسے اَلفاظ کا اِستعمال کر جاتے ہیں کہ اگر اُن اَلفاظ کو اُن کے حقیقی معنی موضوع لہ، کے مطابق سمجھا جائے تو بات کفر و شرک تک جا پہنچتی ہے۔ لیکن چونکہ اُن کے دِلوں میں اپنے ادا کردہ الفاظ کے حقیقی مفہوم کی بجائے مجازی معنی مُراد ہوتا ہے اور مجازِ متعارف پائے جانے کے سبب ایسے موقع پر معاشرے میں عام طور پر مجازی معنی ہی مُراد لیا جاتا ہے لہٰذا ایسے افراد شرک کی آلائش میں نہیں گردانے جائیں گے۔ مثلاً:

يَا أكرمَ الخلقِ مَا لِي مَن أَلُوذُ بِهٖ
سِواك عندَ حُلول الحادثِ العممِ

ترجمہ: اَے تمام مخلوق سے بزرگ و برتر (نبی ﷺ)! آپ کے علاوہ میرا کوئی (مددگار) نہیں جس کی میں آفات کی کثرت کے وقت پناہ طلب کروں۔

لِي خمسةٌ اُطفی بِها حرَّ الوباءِ الحاطمةِ
اَلمُصطفٰی وَ الْمُرتضٰی وَ ابْنَاهُمَا وَ الْفَاطِمة

ترجمہ: میرے لئے پانچ (اَحباب ایسے) ہیں کہ جن کی مدد سے میں تباہ کن وباء کی حدّت کو بُجھاتا ہوں (اَور وہ یہ ہیں:) محمد ﷺ، علی مرتضیٰؓ، اِن کے دونوں صاحبزادے (حسنؓ وحسینؓ) اور سیدہ فاطمۃ الزھراءؓ۔

یہ سب تمہارا کرم ہے آقا
کہ بات اَب تک بنی ہوئی ہے

مجھے نظرِ کرم کی بھیک ملے
مِرا کوئی نہیں ہے تیرے سِوا

سب کا کوئی نہ کوئی دُنیا میں آسرا ہے
میرا بجز تمہارے کوئی نہیں سہارا

خدا دے بکڑے جُہڑاوے مُحمد
مُحمد دے بکڑے جُہڑا کوئی نئیں سکدا

دنیا دے اندر ھوراں دے ھوون گے ھور سہارے وی
میرا تے آقا باج تِرے کوئی وی سہارا ھور نئیں

اِسی طرح بعض اَوقات اُمتِ مسلمہ کے کچھ اَفراد سرورِ دو جہاں ﷺ کو پکارتے ہوئے لَیسَ لنَا مَلجأٌ سِواكَ یَا رسولَ اللهِ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ کے سِوا

ہمارا کوئی ٹھکانہ نہیں‘ وغیرہ جیسے اَلفاظ بھی کہہ دیتے ہیں۔ بادیٔ النظر میں اگر ایسے اَشعار و اَلفاظ کا اِطلاق حقیقی معنی پر کیا جائے تو ایسے قول کا قائل کافر و مُشرک قرار پاتا دکھائی دیتا ہے، مگر دَرحقیقت کسی بھی مسلمان کے ذِہن میں اِن الفاظ کے اِستعمال کے وقت حقیقی معنی مُراد نہیں ہوتا۔ ہر وہ شخص جو یہ اَلفاظ پکارتا ہے وہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ اللہ کے سِوا فقط آپ ﷺ ہی کی بارگاہ میرے لئے جائے پناہ ہے اور خدا کے دَر کے بعد آپ ﷺ ہی کا سہارا مجھ عاصی و خطا کار کی بخشش کا ذرِیعہ و وسیلہ ہے۔ اِن اَلفاظ سے مُراد یہ ہوتی ہے کہ مخلوقِ خدا میں آپ کے سِوا میرا کوئی نہیں ہے اور آپ کے علاوہ دیگر اِنسانوں سے مجھے قطعاً کوئی اُمید نہیں ہے۔ اگرچہ ہم عام طور پر توسّل و اِستغاثہ کے دوران اِس طرح کے ذُومعنی اَلفاظ کا اِستعمال کرتے ہیں اور نہ دُوسروں کو ایسے اَلفاظ کے اِستعمال کی تلقین کرتے ہیں، تاکہ شِرک کا وہم و گمان بھی جنم نہ لے اور ایسے اَلفاظ سے اِجتناب بھی ہو جائے، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اِس قسم کے اَلفاظ کا مجازی اِستعمال کرنے والے پر کفر و شِرک کا فتویٰ جڑ دینے میں جلد بازی سے کام لینا بھی دانشمندی کی بات نہیں۔

ضرورت اِس امر کی ہے کہ اِن مسلمانوں کے مؤحّد ہونے کے بارے میں حُسنِ ظن رکھا جائے اور معنیٔ مجازی کو مدِنظر رکھتے ہوئے فتویٰ ہائے کفر و شِرک سے کلیتًا اِجتناب کیا جائے۔ کیونکہ یہ مؤحّدین اللہ تعالیٰ کی توحید کے اُسی طرح قائل ہیں جیسے اِسلامی اَحکام کا تقاضا ہے اور نبیِّ کریم ﷺ کی رِسالت کی بھی گواہی دیتے ہیں۔ نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ جب وہ اِسلام کے جمیع اَحکام پر عمل پیرا ہیں تو چند اَلفاظ کے مجازی اِستعمال کے جُرم کی پاداش میں اُنہیں حلقۂ اِسلام سے نکال باہر پھینکنا کہاں کی ہوشمندی ہے؟ سیدنا اَنس بن مالکؓ سے مروِی ہے کہ تاجدارِ کائنات ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

مَنْ صلّی صلوٰتنا وَ اسْتقبلَ قبلتَنا جو ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارے

و أكل ذبيحتَنا فذٰلك المُسلم الذی لهٗ ذمة اللهِ و ذمة رسولِه فلا تخفروا الله فی ذمتِه۔ (صحیح البخاری، کتاب الصلوٰۃ، ۱:۵۶)	قبلے کو قبلہ بنائے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس وہ ایسا مسلمان ہے جس کے لئے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کا ذِمہ ثابت ہے، پس تم اللہ کی ذمہ داری کو مت توڑو۔

صحیح بخاری کی اِس حدیثِ مبارکہ کے بعد عامۃ المسلمین کو مجازِ عقلی کے جائز اِستعمال پر مُشرک قرار دینے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ مجازِ عقلی کا اِستعمال قرآن وحدیث اور عملِ صحابہ کرامؓ میں جا بجا موجود ہے اَور اِس سے اِنکار ممکن نہیں۔ ایک مؤمن سے ایسے اَلفاظ کا صدور مجازِ عقلی پر محمول کر لینے میں کوئی عذر مانع نہیں۔ صحیح اِسلامی عقیدے کے مطابق جو شخص یہ اِعتقاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی بندوں کا خالق و مالک ہے اور اُسی نے اُنہیں مختلف اَعمال واَفعال کی اِنجام دہی کی طاقت سے نوازا ہے، اللہ ربّ العزّت کے اِختیار میں کسی زِندہ ومُردہ کی خواہش کو کوئی دخل حاصل نہیں اِلاّ یہ کہ خدا خود اپنی مرضی سے اُس کی خواہش وسفارش کو قبول کرے..... ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص ہی حقیقت میں مؤمن ومسلمان ہے..... یہی عین توحید ہے اور یہی عین اِسلام، جیسا کہ حضرت جبرائیلؑ نے بھی سیدہ مریمؑ سے مکالمہ کے دوران اللہ تعالیٰ کے فعل کی نسبت اپنی طرف کر کے مجازِ عقلی کا صدور فرمایا تھا۔ قرآنِ مجید میں جبرائیلؑ کے اَلفاظ یوں وارِد ہوئے ہیں:

لِأَهَبَ لَكِ غُلَاماً زَكِيًّا o (مریم، ۱۹:۱۹)	تاکہ میں تجھے ایک پاکیزہ بیٹا عطا کروں o

جب اللہ تعالیٰ کی نورانی مخلوق کا سردار ایسے مجازی اَلفاظ کی نسبت اپنی طرف کر سکتا ہے اور اللہ ربّ العزّت خود ان الفاظ کو اپنے کلامِ مجید میں دُہرا سکتا ہے تو ایک بندۂ بشر اگر ایسے ہی اَلفاظ کی نسبت تاجدارِ انبیا ﷺ کی طرف کر دے تو اِس میں کون سی قباحت ہے؟ ضرورت اِس امر کی ہے کہ قرآنِ مجید کی حقیقی رُوح تک رسائی اِختیار کی جائے تاکہ مسلمان ایک دُوسرے کی تکفیر کا وطیرہ ترک کر دیں، اِسی میں اِسلام کا فائدہ ہے اور اِسی میں ہم سب کے اِیمان کی بھلائی ہے۔

حرفِ آخر

یہاں ہم جملہ بحث کو سمیٹتے ہوئے اِبتداء میں تحریر کردہ ایک اہم بات کو اُسلوبِ نو کے ساتھ ایک بار پھر بیان کرنا چاہیں گے کہ فی زمانہ بعض لوگوں نے آیاتِ قرآنیہ کے ضمن میں حقیقت و مجاز کے درمیان فرق اور اِعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا ہے۔ اُن کا عقیدہ و نظریہ اَلفاظِ قران کے فقط حقیقی معانی سے اِستدلال لینے کا ہے۔ چنانچہ وہ مجازی معنی کا جواز تک محلِ نظر سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ احادیثِ نبوی اور اَسلاف ائمہ کی قرآنی تعبیرات و تفسیرات سے رُوگرداں ہو کر تفسیر بالرائے کے مُرتکب ہو رہے ہیں اور عقائدِ اِسلام کے باب میں بدعات پیدا کرنے اور اَلفاظِ قرآنی کے معنیٔ مُرادی سے ہٹ کر عقائد کی تشریحات وضع کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اِعتدال سے ہٹنے والا دُوسرا گروہ ضد میں آ کر مجاز کے اِستعمال میں کچھ اِس طرح سے زیادتی کا قائل ہوتا چلا گیا ہے کہ اِعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھا ہے جبکہ اِعتدال ہر حال میں ضروری ہے۔ **حقیقت و مجاز کے**

اِستعمال میں قرآنی اِعتدال کو ملحوظِ خاطر رکھا جائے تو اِن دونوں اِنتہاؤں میں حائل خلیج کو پاٹ کر اُمت کو پھر سے جسدِ واحد بنایا جا سکتا ہے۔ یہی وطیرہ دینِ حق کی حفاظت اور مقامِ توحید کی حقیقی تعبیر و توجیہہ کے لئے ضروری و کارآمد ہے۔

إشاريه

نمبر شمار	کلمات	صفحہ
۱	آدم علیہ السلام	۲۲، ٤٤
۲	آصف برخیا رحمۃ اللہ علیہ	۹۵
۳	إبنِ تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۹، ۱۱۷
٤	أبوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۱٦، ۱۱۸
۵	أبوطالب	۱۱۸
٦	أبوھریرہ رضی اللہ عنہ	٤۵
۷	إتحادِ اُمّت	۱۳، ۱۹، ۱۲۸
۸	أُحد	۲۹، ۵۲
۹	إحیائے مَوتیٰ	۸٦، ۸۸، ۹۰
۱۰	إستسقاء	۵۱، ۱۰۱، ۱۱۸
۱۱	إستغاثہ	۱۱، ۱۲، ۲۰، ۲۵، ۲۷، ۳۰، ۳۵، ٤٦، ٦٦، ۱۰۱، ۱۰۹، ۱۱۲
۱۲	إستغاثہ.....آپریشن کے لئے	٤۷
۱۳	إستغاثہ.....آدم علیہ السلام سے	٤٤
۱٤	إستغاثہ.....أحادیث کی روشنی میں	٤۳، ۵۱
۱۵	إستغاثہ.....اور توسّل	۲٤، ۳۰، ٤٦، ۵۰، ٦٦
۱٦	إستغاثہ.....اور دُعا	۲۵، ۲۷، ٤۹، ۷٤

نمبر شمار	کلمات	صفحہ
۱۷	إستغاثہ.....اور سلطۂ غیبیہ	۹۱، ۹۲، ۱۰۱
۱۸	إستغاثہ.....اور عِبادت	۳۶، ۷٤
۱۹	إستغاثہ.....اور عملِ صحابہ رضی اللہ عنہم	۴۳، ٤۶، ۵۱، ۵۲، ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۱۹
۲۰	إستغاثہ.....اور غیر مقدور العبد شے	۱۰۱، ۱۰۲
۲۱	إستغاثہ.....بارش کے لئے	۵۱، ۱۰۱
۲۲	إستغاثہ.....بالعمل	۲۱، ۲۳، ۲٤
۲۳	إستغاثہ.....بالقول	۲۱، ۲۲
۲٤	إستغاثہ.....بعد الموت	۵۵، ۵۸
۲۵	إستغاثہ.....بینائی کے لئے	۲۳، ۲٤، ٤۹
۲۶	إستغاثہ.....حافظے کے لئے	٤۵
۲۷	إستغاثہ.....حُکمِ باری تعالٰی	۱۱۲
۲۸	إستغاثہ.....حیاتِ برزخی میں	٦٤
۲۹	إستغاثہ.....سامانِ حرب سے	۱۱۲
۳۰	إستغاثہ.....سورۂ فاتحہ کی روشنی میں	۳۵، ۷۸
۳۱	إستغاثہ.....صبر و صلوٰۃ سے	۱۱۲
۳۲	إستغاثہ.....علاج کے لئے	٤۱، ٤۷، ٤۸، ٤۹، ۱۰۲
۳۳	إستغاثہ.....ما فوق الأسباب اُمور میں	٤۲

نمبر شمار	کلمات	صفحہ
٣٤	إستغاثه......موسیٰ علیہ السلام سے	٤٢، ٤٣، ٤٤
٣٥	إستغاثه......یوسف علیہ السلام کی قمیض سے	٢٣، ٢٤
٣٦	إفراط و تفريط	١٩
٣٧	إقبال رحمۃ اللہ علیہ	٦٤
٣٨	أُمتِ وسط	١٣
٣٩	أُمورِ غير مقدور العبد	١٠١، ١٠٢
٤٠	أُمورِ ما تحت الأسباب	٤٢، ٧٦، ٧٧، ٧٩، ٨٠، ٨١
٤١	أُمورِ ما فوق الأسباب	٤٢، ٧٦، ٧٧، ٧٨، ٧٩، ٨٠، ٨١، ٨٢، ٩٩
٤٢	أمير حمزه رضی اللہ عنہ	٥٢، ٥٣
٤٣	أنس بن مالك رضی اللہ عنہ	٥١، ١٢٥
٤٤	اِنٹرنیٹ	٩٢
٤٥	إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ	٣٥، ٧٨، ٧٩
٤٦	بخاری رحمۃ اللہ علیہ	٥١
٤٧	بدر	٢٠، ٤٧، ٦١
٤٨	بدعت	١٨، ١١٦، ١٢٧
٤٩	بِلقيس (ملكه)	٩٤، ٩٨

نمبر شمار	کلمات	صفحہ
۵۰	بیہقی رحمۃ اللہ علیہ	٤٧
۵۱	تعاونِ باھمی	۱۱، ۱۲، ٤۲، ۷۷، ۱۱۳، ۱۱٤
۵۲	تسمیہ	۲٦
۵۳	تفسیر بالرّائے	۱۸
۵٤	تقدیرِ الٰھی	۱۰۸
۵۵	توحید	۱۷، ۱۸، ۱۹، ٤٦، ۹۰، ۱۱۱، ۱۱۹
۵٦	توسّل (وسیلہ و ذریعہ)	۲٤، ۳۰، ٤٦، ۵۰، ۸٤، ۸۵، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۹
۵۷	جبرائیل علیہ السلام	۸۳، ۸٤، ۱۰٦، ۱۲٦
۵۸	جنازہ	۵۳، ٦٦، ٦۷
۵۹	حرفِ مغایرت	۳٦، ۳۷
٦۰	حقیقت و مجاز	۱۸، ۱۹، ۲٤، ٤۱، ۵۳، ٦٤، ۷۹، ۸۰، ۸۱، ۸۲، ۸۵، ۸۷، ۸۹، ۱۰۳، ۱۰۷، ۱۲۳، ۱۲٦، ۱۲۷

نمبر شمار	کلمات	صفحہ
٦١	حیات	٥٧، ٦٠
٦٢	حیاتِ أنبیا علیہم السلام	٦٢، ٦٣
٦٣	حیاتِ برزخی	٥٨، ٥٩، ٦٠، ٦٢، ٦٤، ٦٥، ٦٦
٦٤	حیاتِ شُھداء	٥٨، ٦٠، ٦١
٦٥	داتا پِنج بخش رحمۃ اللہ علیہ	٩٥
٦٦	دُعا	٢٥، ٢٦، ٢٧، ٢٨، ٢٩، ٣٠، ٤٩، ٥٠، ٤٦، ٧٤
٦٧	دُعائے سوال	٣٠، ٣١، ٣٢، ٣٣
٦٨	دُعائے عبادت	٢٩، ٣٠، ٣٢، ٧١، ٧٢، ٧٣، ٧٤
٦٩	ذوالقرنین علیہ السلام	١١٣
٧٠	راغب اصفھانی رحمۃ اللہ علیہ	٢٠، ٢١، ٢٦
٧١	ربیعہ بن کعب رضی اللہ عنہ	١١٠، ١١١
٧٢	رُوح	٦٥، ٩٠
٧٣	ریڈار	٩٦
٧٤	زوالِ أُمّت	٩
٧٥	ساریہ بن جبل رضی اللہ عنہ	٩٦

نمبر شمار	کلمات	صفحہ
۷۶	سبا	۹۸
۷۷	سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ	۹۵
۷۸	سلطۂ غیبیہ	۹۱، ۹۲، ۱۰۱
۷۹	سلیمان علیہ السلام	۹۴، ۹۵، ۹۸، ۹۹، ۱۰۰
۸۰	سوال	۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱
۸۱	شِرک	۱۸، ۲۲، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۴۱، ۴۴، ۵۲، ۵۷، ۵۹، ۶۴، ۷۱، ۷۴، ۷۶، ۸۲، ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۹، ۹۱، ۹۲، ۹۷، ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۳
۸۲	شفاعت	۴۶، ۵۰
۸۳	صلوٰۃ الخوف	۱۱۳
۸۴	صورِ اسرافیل علیہ السلام	۶۰
۸۵	طائف	۴۳

نمبر شمار	کلمات	صفحہ
۸۶	عالمِ أسباب	٦٥
۸۷	عالمِ أمر	٦٥
۸۸	عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ	۷۵، ۱۰۷
۸۹	عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	۱۱۸
۹۰	عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۵۲
۹۱	علمِ غیب	۸٦، ۸۸، ۸۹، ۹۳، ۹۷، ۹۸
۹۲	عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ	۹۵، ۹٦
۹۳	عیسیٰ علیہ السلام	۸۳، ۸۵، ۸٦، ۸۷
۹٤	غوثِ أعظم رحمۃ اللہ علیہ	۹۳، ۹۵
۹۵	فِرقہ بندی	۹، ۱۰، ۱۳، ۵۰، ۱۲۵
۹٦	فلسفۂ یونان	٦٤، ٦٦
۹۷	قبطی	٤۲
۹۸	قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ	٤۷، ٤۸
۹۹	کاشِفُ الکُرُبات	۵۲
۱۰۰	کشف	۹۵، ۹۷، ۹۸
۱۰۱	کمپیوٹر	۹۲
۱۰۲	بِلوبل وِیلیج	۹۲

نمبر شمار	کلمات	صفحہ
۱۰۳	مدینہ منوّرہ	۹۶
۱۰٤	مریم علیہا السلام	۸۳، ۱۲٦
۱۰۵	مُستغاث و مُستعانِ مجازی	۱۲، ۲٤، ٤٦، ۵۳، ۵۸، ۷۹، ۸۱، ۸۲، ۱۰۱، ۱۰۹، ۱۱۲
۱۰٦	مسجدِ نبوی	۹٦
۱۰۷	مُعاهدۂ عِمرانی	۱۱، ٤۱، ۱۱۳
۱۰۸	مُعجزاتِ عیسٰی علیہ السلام	۸۵، ۸٦، ۸۸
۱۰۹	مُعجزہ	۸۷، ۸۸، ۱۰۲
۱۱۰	مُعجزۂ موسیٰ علیہ السلام	۲۲
۱۱۱	موت	٦۵
۱۱۲	موسٰی علیہ السلام	۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳
۱۱۳	نِداء	۲۵، ٤۱، ٤۲، ۵۳
۱۱٤	نِدائے غیر اللہ	۳۳، ٤۱، ۵۳، ۷٤، ۱۲۳
۱۱۵	نِدائے موتیٰ	۵۳، ٦۱، ۱۲۳
۱۱٦	نفیٔ کُفر و شِرک	۱۲۳، ۱۲٦
۱۱۷	ولی و نصیر	۱۰٤، ۱۰۵، ۱۰٦
۱۱۸	یعقوب علیہ السلام	۲۳، ۲٤

نمبر شمار	کلمات	صفحہ
۱۱۹	یوسُف علیہ السلام	۲۳، ۲٤، ۲۷
۱۲۰	Struma	٤۸
۱۲۱	Mutual Cooperation	۱۱، ٤۲

کتابیات

نمبر شمار	کتاب	مصنف/متوفیّ	ناشر/سنِ اشاعت
۱	قرآنِ مجید	منزل من اللہ	
۲	صحیح البخاری	اِمام محمد بن اِسمٰعیل بخاریؒ، ۲۵۶ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۸۱ھ
۳	الصحیح لمسلم	اِمام مسلم بن الحجاج قشیریؒ، ۲۶۱ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی، ۱۳۷۵ھ
۴	جامع الترمذی	اِمام محمد بن عیسیٰ ترمذیؒ، ۲۷۹ھ	فاروقی کتب خانہ
۵	سنن ابی داؤد	اِمام ابوداؤد سلیمان بن اَشعثؒ، ۲۷۵ھ	مکتبہ اِمدادیہ ملتان
۶	سنن النسائی	اِمام احمد بن شعیب النسائیؒ، ۳۰۳ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی
۷	سنن ابن ماجہ	اِمام محمد بن یزید القزوینیؒ، ۲۷۳ھ	قدیمی کتب خانہ کراچی
۸	مسند احمد بن حنبل	اِمام احمد بن حنبلؒ، ۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت، ۱۳۹۸ھ
۹	المستدرک	اِمام ابوعبداللہ محمد الحاکمؒ، ۴۰۵ھ	دار الباز مکہ مکرمہ
۱۰	الترغیب والترھیب	اِمام زکی الدّین المنذریؒ، ۶۵۶ھ	دار اِحیاء التراث العربی بیروت، ۱۹۶۸ء
۱۱	المعجم الاوسط	اِمام سلیمان بن احمد الطبرانیؒ، ۳۶۰ھ	مکتبۃ المعارف ریاض، ۱۴۰۷ھ
۱۲	مسند اَبی یعلی	اِمام ابویعلی الموصلیؒ، ۳۰۷ھ	دار الماعون للتراث بیروت، ۱۴۰۶ھ
۱۳	مجمع الزوائد	اِمام علی بن ابی بکر الھیثمیؒ، ۸۰۷ھ	دار الکتاب العربی بیروت
۱۴	معالم التنزیل	اِمام ابومحمد بن مسعود البغویؒ، ۵۱۶ھ	دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۹۵ء
۱۵	المواھب اللدنیۃ	اِمام احمد بن محمد القسطلانیؒ، ۹۱۱ھ	دار المعرفۃ بیروت، ۱۹۷۳ء
۱۶	دلائل النبوۃ	اِمام احمد بن الحسین البیھقیؒ، ۴۵۸ھ	دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۸۰ء
۱۷	الطبقات الکُبریٰ	اِمام محمد بن سعدؒ، ۲۳۰ھ	دار الطباعۃ بیروت، ۱۳۹۸ھ
۱۸	البدایۃ والنھایۃ	اِمام اِسمٰعیل بن کثیرؒ، ۷۷۴ھ	مکتبۃ المعارف بیروت، ۱۹۷۷ء
۱۹	الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ	اِمام احمد بن علی بن حجر العسقلانیؒ، ۸۵۲ھ	دار اِحیاء التراث العربی بیروت، ۱۳۲۸ھ
۲۰	مفاہیم یجب ان تصحح	علامہ محمد بن علوی المالکی	مکہ مکرمہ
۲۱	المفردات	اِمام راغب اِصفھانیؒ، ۵۰۲ھ	نور محمد کتب خانہ کراچی